بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا دینی، اصلاحی، ادبی ترجمان

ماہنامہ ندائے قاسم

بیادگار: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند

بانی: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ و بانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مجلس مشاورت

- حضرت مولانا محمد قاسم صاحب
- مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب
- جناب سمیع احمد صاحب
- جناب حاجی بلال الدین صاحب

نگراں: حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سالم | مدیر تحریر: خالد انور پورنوی، المظاہری

جلد:3	فروری 2017ء	جمادی الاول ۱۴۳۸ھ	شمارہ:28

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: 09431011919
مولانا محمد ناظم صاحب: 09431015726
مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب: 09470083120
مولانا محمد سالم صاحب: 09934291786

ماہنامہ ندائے قاسم
Monthly **NIDA-E-QASIM**
Nafees colony, Baripath,
Mahendru, Patna-6
فی شمارہ: 20/روپیہ - سالانہ زرتعاون: 200/روپیہ

OWNER, EDITOR, PRINTER & PUBLISHER : MOHAMMAD QUASIM,
PRINTED AT INDIAN ARTS OFFSET, BASEMENT OF SBI, MAHENDRU, ASHOK RAJPATH, PATNA:-6, & PUBLISHED FROM OFFICE OF THE "NIDA-E-QASIM", NAFEES COLONY, BARIPATH, MAHENDRU, DIST- PATNA-6,
RNI No BIHURD/2014/59332, MOB.: 9431011919

فہرست مضامین

اداریہ	یوپی کا دنگل!	خالد انور پورنوی المظاہری	03
درس قرآن	قرآن کریم؛ لاریب ہے!	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب	07
درسِ حدیث	رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ہی اُسوۂ حسنہ ہے!	جناب مولانا محمد ناظم صاحب	10
مقالات و مضامین	سوشل میڈیا... صحیح اور غلط استعمال؟	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	13
	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ.............	نایاب حسن قاسمی	19
	علم تجوید کی ضرورت واہمیت	ڈاکٹر محمد ناصر، اے ایم یو	24
	امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات........	عارف عزیز (بھوپال)	28
	قومی یکجہتی وقت کی اہم ضرورت	مفتی ابوذر قاسمی	32
	دلت مسلم قیادت اور عوام میں انقلابی تبدیلی کی ضرورت	عبدالحمید نعمانی	36
	جشن جمہوریت یا جمہوریت کا خون	نازش ہما قاسمی	39
	اِس سے پہلے میں تمہارے درمیان..........	از: ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی	42
	ٹرمپ کے عہدہ سنبھالتے ہی امریکہ میں نئے دور کا آغاز	ڈاکٹر سیّد احمد قادری	47
خواتین	حیض ونفاس والی عورت احرام کے وقت کیا کرے!	حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی	52
//	عورت کا مقام	تحریر: امتیاز علی شاکر	55
//	مسئلہ طلاق؛ جہالت اور میڈیا کی جانب داری کے تناظر میں	از: غلام رسول دیلش مکھ	58
اطفال	بچے جو دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں	مولانا مجود عالم	64

E-Mail:-.nedaequasim@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں!

کمپیوٹر کتابت: مجود عالم، بھاگلپوری: 09934837448

اداریہ

یوپی کا دنگل!

خالدانور پورنوی المظاہری

رام مندر کی سیاست پھر سے شروع ہوگئی ہے، جنہیں مسلمانوں سے سخت نفرت ہے وہی مسلم عورتوں کے حقوق کی بات کرنے لگے ہیں، تین طلاق، گئوکشی، اور دیگر حساس موضوعات کے رتھ پر سوار ہوکر یوپی کا الیکشن جیتنے کیلئے تمام جائز وناجائز حربوں کا استعمال شروع ہوچکا ہے، اونٹ کس کروٹ بیٹھے گی یہ تو بعد کی بات ہے، لیکن ابھی سے اپنی حکومت کے سپنے لوگوں کو دکھانے میں لگے ہیں، نوٹ بندی کی مار جھیل رہے عوام کو خوش کرنے کیلئے وعدے پر وعدے کئے جارہے ہیں، مگر کیا ہوگا فیصلہ؟ اس دنگل میں کون بازی مار یگا؟ یہ فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا ہے!

ویسے تو اتر پردیش، پنجاب، گوا، اتراکھنڈ، اور منی پورہ پانچ ریاستوں میں 4 فروری سے 8/ مارچ تک انتخابات ہورہے ہیں، مگر لوگوں کیلئے سب سے زیادہ دلچسپ یوپی کا اکھاڑہ ہے، یہیں سے ملک کی تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں، شاید اسی لئے ضابطہ اخلاق کے نفاذ کے بعد بھی ضابطہ اخلاق کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں، ہم دیکھ کر حیران ہیں اور جن کے پاس روکنے کی طاقت ہے وہ خاموش نظر آتے ہیں۔

جمہوریت میں بے شک سر گنے جاتے ہیں، اور یہاں صرف اکثریت سے مطلب ہے، کوئی ضروری نہیں کہ جس پارٹی کی حکومت بن جائے وہ عوام میں بے حد مقبول بھی ہو، اسی لئے کچھ لوگ ووٹوں کی تقسیم سے بچنے کی اپیل کرتے ہیں، تو کچھ لوگ ووٹوں کی تقسیم کی فکر میں رہتے ہیں، اور 30 سے 40 فیصدی تک میں بآسانی ان کی حکومت بھی بن جاتی ہے، اور 60 سے زائد فیصدی ووٹ ردی کی ٹوکری میں!

اتنے بڑے جمہوری ملک میں انتخابی ایجنڈوں، دعوؤں کو دیکھ کر ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے، اقتدار کے حصول کیلئے پارٹی عوام کو لبھانے میں لگی ہے، دعوے پر دعوے کئے جاتے ہیں، اور عوام کی ہمدردی اور خیر خواہی کا ڈھول خوب بجتا ہوا سنائی دیتا ہے، مگر الیکشن تک، اور اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے تک، حکومت بننے کے بعد سمجھ میں آتا ہے یہ تو صرف انتخابی جملہ تھا، اور کچھ بھی نہیں۔

انتخابی موسم میں تو دلتوں کے گھر میں بھی بیٹھ کر لوگ کھانے کا نوٹنکی کرتے ہیں، اور اپنے سیاسی فائدہ کیلئے چھوا چھوت پر یقین رکھنے والے لوگ دلتوں سے گلا ملتے ہوئے بھی خوب دکھائی دیتے ہیں، کسانوں، مزدوروں اور ترقی کی رفتار سے بہت نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں کی فلاح اور ترقی کیلئے نئی نئی اسکیموں کا اعلان ہوتا ہے،

اور خوب خوب ڈھنڈورا پیٹے جاتے ہیں، مگر افسوس کہ اس پر عمل کرنے کیلئے کسی کے پاس بھی حوصلہ نہیں ہے۔

اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں، کوئی بھی دودھ کا دھلا نظر نہیں آرہا ہے، ہر ایک کا دامن مسلمانوں، اقلیتوں، اور دلتوں کے خون سے داغدار ہے، ہاں کسی کو اس میں اول مقام حاصل ہے، کسی کو دوم، اور کسی کو تیسرا مقام، مگر سب نے ملکر گاندھی جی، بھگت سنگھ اور اشفاق اللہ خان کے اس دیش میں ظلم وستم کی ایسی تاریخ رقم کی ہے کہ لکھتے ہوئے ہماری روح کانپ اٹھتی ہے، مگر پھر الیکشن آتے ہی وہ قوم کے ہمدرد ہو جاتے ہیں، اور قوم کی بے حسی کا عالم یہ ہے کہ بڑی آسانی سے انہیں معاف بھی کر دیتی ہے۔

ہم مسلمانوں کا کیا؟ ہم تو اس دنگل میں ہیں ہی نہیں، اور نہ ہم اس لائق ہیں، صرف ووٹ دینے پر یقین رکھتے ہیں، اور اس پر بھی انتشار کا شکار ہیں، 70 رسالوں سے ہر کوئی ہمارا استحصال کرتا رہا ہے، اور ہم اپنے وجود اور تحفظ کی بھیک مانگتے رہے ہیں، ہاں! الیکشن کے موقع پر ہر پارٹیاں کاسہ گدائی لیکر مسلمانوں کے پاس ضرور پہونچ جاتی ہیں، اور ہم انہیں بڑی آسانی سے معاف بھی کر دیتے ہیں، اور بغیر کسی ایگریمینٹ کے ووٹ جیسی قیمتی چیز کو ان کی جھولی میں ڈالدیتے ہیں۔

صاف ستھری سیاست ہو، اچھے، سچے اور ایماندار شخص کا انتخاب ہو، یہ ایک سپنا ہے ہمارا، اور اب نہیں لگتا ہے کبھی یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوگا، آج دیکھا جاتا ہے ووٹ مانگنے والے شخص پر ہزاروں مقدمات اور کیسیز درج ہوتے ہیں، چھوٹے موٹے نہیں، اتنے بڑے کہ پانچ سال سے زیادہ کی سزا تک ہو سکتی ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ وہ آستھا، عقیدہ اور مذہب کی بات کرتا ہے، آستھا اور مذہب کی بات سن کر بآسانی لوگ ان کے جھانسے میں آجاتے ہیں، اچھے لوگ انتشار کے شکار ہو جاتے ہیں، اور کریمنل لوگ پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں پہونچ جاتے ہیں، ظاہر ہے جیتنے کے بعد عوام کی خیر خواہی ان کے پیش نظر نہیں ہو سکتی ہے۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کا یقیناً ہم خیر مقدم کرتے ہیں کہ مذہب کے نام پر ووٹ مانگنا غلط ہے، اور اس کی اجازت ایک جمہوری ملک میں نہیں دی جاسکتی ہے، مگر زمینی سطح پر اس پر عمل کب ہوگا؟ یہ دیکھنے والی بات ہے، اگر ایسا ہو جاتا ہے تو یقیناً بہتر حکومت کی تشکیل عمل میں آسکتی ہے، مگر اب تک اس کے خلاف ہوتا آرہا ہے، اور آج بھی یوپی میں دیکھنے کو مل رہا ہے، جبکہ سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کے زیادہ دن بھی نہیں گذرے ہیں، ایسے موڑ پر ہمارے سیاسی آقائیں اگر عدالت عالیہ کے فیصلہ کا احترام نہیں کرتے ہیں تو پھر عوام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ووٹ کی چوٹ سے بے لگام نیتاؤں کو لگام کسیں، اگر ایسا کرنے میں ہم اور آپ کامیاب ہو جاتے ہیں تو یقیناً اچھے رہنماؤں کا انتخاب ہو سکتا ہے۔

سیاسی پارٹیوں کا کام یقیناً اُلو سیدھا کرنا ہے، اور اچھے دنوں کا خواب دکھا کر حکومت کی چابی حاصل کرنا ہے، اور بس، پھر پانچ سال موج، مستی، عیاشی، دنیا بھر کا سیر کرنا، اور کچھ بھی نہیں، اب جنتا کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ حساب مانگے، مہنگائی کم ہوئی؟ ریل کرایہ گھٹا؟ رشوت خوری کم ہوئی؟ کالا دھن واپس آیا؟ بینکوں میں 15/لاکھ آئے؟ بے روزگاری گھٹی؟ سالانہ دو کروڑ نوکریاں ملیں؟ نوٹ بندی سے دیش کو فائدہ ہوا؟ اگر انتخابی وعدوں کو ہم ہی بھول جائیں گے تو یقیناً ہمارا صرف استحصال ہوتا رہیگا۔

بات یقیناً سوچنے والی ہے، کہ کپڑا، روٹی اور مکان جس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اس پر کوئی بحث نہیں ہوتی ہے، مہنگائی آسمان چھونے لگی ہے یہ کوئی موضوع نہیں ہے، گاؤں، دیہاتوں میں ابھی تک بجلی نہیں پہونچی ہے، سڑکوں کی حالت خستہ ہے، اس جانب کوئی پہل نہیں، ہاں ان سارے مدعوں سے بھٹکانے اور اپنی ناکامی کو چھپانے کیلئے رام مندر کا شوشہ ضرور چھوڑا جاتا ہے، اور ہم بھی بے وقوف ہیں کہ ترقی اور حکومتی کارگردگی کا حساب مانگنے کے بجائے کسی کے بھی بہکاوے میں آجاتے ہیں۔

○ ○ ○

اتر پردیش ہندوستان کی بہت بڑی ریاست ہے، یہاں پر 80/ پارلیمانی اور 403/ اسمبلی حلقے ہیں، اسی لئے سب کی نظر اسی ریاست پر ٹکی رہتی ہے، مسلمانوں اور سیکولر لوگوں کیلئے یقیناً یہاں کا الیکشن کسی آزمائش سے کم نہیں ہے، نہ تو ہمارا ووٹ ضائع ہونے پائے، اور نہ ووٹ بٹنے پائے، ان دونوں باتوں کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اور سختی سے عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے!

آسام، مغربی بنگال، اور کیرالہ کے بعد یوپی میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد ہے، سرکاری سروے کے مطابق 19% اور غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق 22% مسلمانوں کی آبادی اس ریاست میں ہے، یہاں 80/ پارلیمانی حلقہ میں سے 53/ اور 403/ اسمبلی حلقوں میں سے 312/ حلقہ ایسے ہیں جہاں ان کا اثر ورسوخ ہے، 209/ اسمبلی ایسے ہیں جہاں مسلمان اپنی پسند کے مطابق زیادہ سے زیادہ مسلم ممبران کو اسمبلی بھیج سکتے ہیں، اور اپنے من پسند حکومت کی تشکیل بھی کر سکتے ہیں؛ لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کا زمینی کوئی لیڈر نہیں؛ اس لئے ایک عام پنچایت سے لیکر اسمبلی اور پارلیمنٹ تک مسلم نمائندگی میں کمی نظر آتی دکھائی دے رہی ہے۔

2012ء کے اسمبلی انتخابات میں کل 67/ مسلم ممبران منتخب ہوئے تھے یوپی سے، جبکہ 63/ مسلم امیدوار ایسے تھے جو چند سو ووٹ سے ناکام رہ گئے تھے، یعنی 130/ مسلمان اسمبلی کے ریس میں تھے، اگر تھوڑی سی حکمت عملی تیار ہوتی تو اتر پردیش کی اسمبلی میں مسلمانوں کی تعداد 105/ سے 115/ تک جاسکتی تھی، مگر افسوس ایسا نہیں ہوا۔

رامپور میں مسلمان %52، میرٹھ میں %53، مرادآباد میں %46، امروہہ میں %44، بجنور میں %42، کیرانہ میں %39، مظفرنگر میں %38، سنبھل میں %36، بریلی میں %25، سرسوتی میں %23، جونپور میں %21، بدایوں، علی گڑھ، اعظم گڑھ، سیتاپور، کھیری، ڈمریا میں %20، فروخ آباد، سلطان پور، وارانسی، غازی پور، گھوسی میں %19-18 مسلمان بستے ہیں، لیکن مسلمانوں کا ووٹ بٹ گیا اور اپنی پسند کا امیدوار وہ نہیں چن سکے۔

2014ء کے پارلیمانی انتخاب کو دیکھئے! یوپی میں محض %42 ووٹ حاصل کرکے بی جے پی اور اس کے اتحادیوں کو 80 رمیں سے 73 رسیٹوں پر کامیابی مل جاتی ہے، اور %50 سے زائد ووٹ میں صرف 7 رسیٹ۔ اس سے یہ بات بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ ہندوستانی عوام میں جمہوریت اور سیکولرزم آج بھی زندہ ہے، اور وہ سیکولرازم پر ہی یقین رکھتی ہے، ہاں! حکمت عملی نہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ بازی مار لیتے ہیں، جو توڑنے کی سیاست اور نفرت کی سوداگری پر یقین رکھتے ہیں۔

یہ بات یقیناً سمجھنے کی ہے کہ ہندوستان میں برہمنوں کی تعداد صرف %3 ہے، اور %97 آبادی پر وہ نہ صرف حکومت کررہی ہے بلکہ ان کی قسمت اور سیاہ وسفید کے فیصلے بھی کرتی ہے، عوام کے جذبات کا استحصال کرکے بڑی آسانی سے ووٹ اپنی جھولی میں بھر لیتی ہے، مگر افسوس ہے ہمارے دلت بھائیوں پر جنہیں مندر میں جگہ نہیں ملتی ہے، مگر رام مندر کے نام پر وہ کیوں اپنے سیکولر ووٹوں کو ضائع کردیتے ہیں۔

آزادی کے بعد سے ہمیشہ ہندوستان میں اقلیتوں، دلتوں اور مسلمانوں پر ظلم وجبر ہوتا رہا ہے، اور ان کے مکمل پلاننگ نہ ہونے کی وجہ سے اقتدار کی اونچائی تک پہونچنے سے ہمیشہ سے ہی قاصر رہے ہیں، نہ جانے کتنے دنگلوں میں انہوں نے حصہ لیا ہے، لیکن سیاسی دنگل کے پہلوان اب تک نہیں بن سکے، لیکن یہ ضرور ہے کہ سیاسی پہلوانوں کی تقدیر کا فیصلہ انہی کے ووٹ سے ہوتا رہا ہے، اور آج بھی یوپی کی تمام سیاسی پارٹیاں انہیں دونوں کی طرف للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں، اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے!

اترپردیش کے دبے کچلے لوگوں، دلتوں، اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینا یقیناً اس ملک کیلئے بہتر نہیں ہے، ہمارے قائدین کو بڑی حکمت عملی سے ان کے پاس جاجا کر بتانے، سمجھانے اور رہنمائی کرنے کی ضرورت ہے، اور سیکولر ووٹوں کی تقسیم سے بچنے کیلئے تمام جائز حربوں کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح ہمیں امید ہے کہ فرقہ پرست طاقتیں ضرور شکست سے دوچار ہونگی۔ ان شاءاللہ

درس قرآن

قرآن کریم؛ لاریب ہے!

خطاب: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

بروز جمعہ، بمقام مرکزی نوری مسجد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ، مورخہ ۱۷/اپریل ۲۰۰۹ء

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّانزلناعلیٰ عبدنافأتوابسورة من مثله وادعوا شهداء كم من دون الله ان كنتم صٰدقين۝(البقرہ)

اور اگر تم کو اس کے بارے میں شک ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری ہے، تو کوئی ایسی سورت اس جیسی تم بھی لے آؤ اور اپنے حمایتیوں کو بھی اللہ کے مقابلہ میں بلالو، اگر تم سچے ہو!

ریب کا ترجمہ اردو میں ''شک'' کا کیا جاتا ہے، مگر امام راغب اصفہانیؒ نے فرمایا کہ درحقیقت ریب ایسے تردد اور وہم کو کہا جاتا ہے، جس کی کوئی بنیاد نہ ہو، ذرا سا غور و تأمل سے رفع ہو جائے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اہل علم سے ریب کی نفی کی گئی ہے، اگر چہ وہ مسلمان نہ ہو، جیسے ارشاد ہے: ''ولا یرتاب الذین أوتوا الکتاب والمومنون''، یہی وجہ ہے کہ شروع سورہ بقرہ میں قرآن کے متعلق فرمایا: ''لاریب فیه'' کہ اس میں کسی ریب کی گنجائش نہیں۔ اور اس آیت میں فرمایا: ''وان کنتم فی ریبٍ''، یعنی اگر تم کسی تردد میں ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ قرآن کریم اپنے واضح اور معجزانہ دلائل کی بناء پر کسی شک محل کا تردد نہیں ہے، لیکن اپنی ناواقفیت سے پھر بھی تمہیں کوئی تردد ہے، تو سن لو! ''فَأْتُوْبِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِه'' لفظ سورت کے معنی محدود وقطعہ کے ہیں، اور سورت قرآن اس خاص حصۂ قرآن کو کہا جاتا ہے جو بذریعہ وحی ممتاز و علیحدہ کر دیا گیا ہو۔

عرب کے سرداروں نے قرآن، اسلام کے مٹانے اور پیغمبر ﷺ کو مغلوب کرنے میں جس طرح اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا وہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے مخفی نہیں۔ شروع میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے گئے چنے رفقاء کو طرح طرح کی ایذائیں دیکر چاہا کہ وہ کلمہ اسلام کو چھوڑ دیں؛ مگر جب دیکھا کہ بال وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے، تو خوشامد کا پہلو اختیار کیا۔ عرب کا سردار عتبہ بن ربیعہ قوم کا نمائندہ بنکر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور عرب کی پوری دولت وحکومت، بہترین حسن و جمال کی لڑکیوں کی پیش کش اس کام کیلئے کی کہ آپ اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں! آپ ﷺ نے اس کے جواب میں قرآن کی چند آیتیں سنا دینے پر

اکتفاء فرمایا۔ جب یہ تدبیر بھی کارگذار نہ ہوئی تو جنگ کیلئے تیار ہوگئے۔ سب کچھ کیا لیکن کسی سے یہ نہ ہوسکا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتا۔

علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے: کہ ایک مرتبہ ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنیں۔ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا، ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی، اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے، تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گذر گئی، جب صبح ہوگئی تو سب واپس ہوئے، اتفاقاً راستہ میں مل گئے اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا، تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے یہ بُری حرکت کی اور کسی نے یہ بھی کہا: کہ کوئی ایسا نہ کرے، کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سب مسلمان ہوجائیں گے۔

اگلی رات آئی تو پھر ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اٹھی کہ قرآن سنیں اور پھر اسی طرح چھپ، چھپ کر ہر ایک نے قرآن سنا، یہاں تک کہ رات گذر گئی اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہونے لگے تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا، مگر تیسری رات بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ سب ایک جگہ جمع ہوئے کہ آؤ ہم سب معاہدہ کرلیں کہ آئندہ ہرگز ایسا نہ کریں گے، پھر سب اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے۔ صبح کو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہونچا اور کہا: بتلاؤ! اس قرآن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ دبے، دبے لفظوں میں ابوسفیان نے قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا، تو اخنس نے کہا: یہی بخدا میری رائے ہے۔ اس کے بعد ابوجہل کے پاس پہونچا اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ تم نے محمد (ﷺ) کا کلمہ کیسا پایا؟ ابوجہل نے کہا: صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنوعبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چشمک چلی آئی ہے، اس لئے ہم نے طئے کیا کہ ان کا مقابلہ ہم کرتے رہیں گے۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قرآن مجید اپنی زبان کی فصاحت اور حسن انشاء کے لحاظ سے یقیناً بے نظیر ہے، جیسا کہ بڑے بڑے ماہرین ادب تسلیم کرچکے ہیں، لیکن یہاں جو تحدی کی جارہی ہے، اس کا مخاطب ''یاایھاالناس'' کے ماتحت سارے انسان ہیں، صرف

قریش یا اہل عرب نہیں، اس لئے قرآن مجید کی بےنظیری کو یہاں صرف انشاء وفصاحت تک محدود رکھنا، اس کے عام وعالمگیر چیلنج کو محدود کردینا ہے، قرآن نے اپنی حقیقت خود بیان کردی ہے، ''وہ ھــــدی للمتقین '' کتاب ھدی ہے۔یعنی انفرادی، واجتماعی دونوں زندگیوں کا جامع نظام نامہ یا مکمل ہمہ ریو برجہتی دستورالعمل اس کے علاوہ اس کی اور جتنی حیثیتیں ہیں ضمنی ہیں، وہ یہاں پیش اپنے اسی سب سے بڑے وصف کو کررہا ہے، اور پکار کہ ہدایتیں اور بصیرتیں میرے ایک سورہ کے اندر موجود ہیں، اب اگر تم اپنی متحدہ کوشش اور جدوجہد سے بھی اس کے مقابلہ کی کوئی چیز پیش کرسکتے ہو تو لاؤ، دکھاؤ، اللہ اکبر کس قدر کی تحدی ہے، اور وہ بھی ایک اُمی کی زبان سے، اپنی عقل وحکمت، اپنی زبان وادب، اپنے علوم وفنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اس وقت بھی آیا ہوگا، اور آج بھی آرہا ہے، لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی۔

(تفسیر ماجدی: ۱/۷۹)

قرآن کریم کا سیدھا سادہ دعوی ہے کہ وہ انسان کا نہیں، خدا کا کلام ہے، اور اس نے اس دعویٰ پر دلیل اس نے کسی قطعی اور عوام وخواص دونوں کی سمجھ میں آجانے والی یہ پیش کردی ہے، کہ اگر کوئی اسے امکان بشری کے اندر سمجھ ہے تو ذرا اس کا ادنیٰ اور ہلکا ہی نمونہ سب کی متحدہ کوشش سے پیش کر دکھائے، قرآن کی اس تحدی کو اب چودہ سو سال ہوا جاتے ہیں اور دنیا جہاں کے کتب خانے اور کتاب سازی کے عہد میں بھی قرآن کے برابر کیا معنی، تقریباً برابر کی کتاب سے یکسر خالی ہے۔ ❍❖❍

قلم کاروں سے گذارش

- ❖ مضامین تحقیقی، باحوالہ، معیاری، مواد سے پُر، فل اسکیپ کاغذ دو صفحہ سے زائد نہ ہوں۔
- ❖ اپنے مضامین ممکن ہو تو کمپوز کے بعد تصحیح فرمالیں۔
- ❖ اگر کمپوزنگ کی سہولت نہ ہو تو صاف ستھری تحریر ہو۔

E-Mail:- nedaequasim@gmail.com

Address:- Monthly NIDA-E-QASIM

Nafees colony, Baripath, Mahendru, Patna-6

جاری کردہ: دفتر ماہنامہ ندائے قاسم نفیس کالونی، مہندرو، پٹنہ

درس حدیث

رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ہی اُسوۂ حسنہ ہے!

جناب مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَاللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُ اَمَّااَنَافَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَااَصُوْمُ النَّهَارَاَبَدًا وَلَااُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَااَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًافَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ اَمَاوَاللّٰهِ اِنِّی لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُوَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ. (رواه البخاری مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ (صحابہ کرام میں سے) تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اورآپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے، جب انُ کو وہ بتلایا گیاتو گویاانہوں نے اُس کو بہت کم سمجھااورآپس میں کہا کہ ہم کورسول پاک ﷺ سے کیانسبت! اُن کےتواگلے پچھلے سارے قصوراللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیئے ہیں۔ چنانچہ ایک نے کہا:اب میں توہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کرونگا،دوسرے نے کہا: میں طے کرتاہوں کہ ہمیشہ بلاناغہ دن کوروزہ رکھا کرونگا،تیسرے نے کہا: میں عہد کرتاہوں کہ ہمیشہ عورتوں سے بےتعلق اوردُور رہونگا،نکاح شادی کبھی نہیں کرونگا، (آپ ﷺ کوجب خبرپہنچی) توآپ ﷺ ان تینوں صاحبوں کے پاس تشریف لائے اورفرمایا: کہ تم ہی لوگوں نے یہ بات کہی ہے؟ سن لو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا، اُس کی نافرمانی اورناراضی کی باتوں سےتم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں، لیکن میراحال یہ ہے کہ میں روزے سے بھی رہتاہوں اور بلاروزے کے بھی رہتاہوں، نماز بھی پڑھتاہوں،سوتا بھی ہوں، اورمیں عورتوں سے نکاح کرتاہوں، ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں، اب جوکوئی میرے اِس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔

تشریح: جن تین صحابیوں کا اِس حدیث میں ذکر ہے بظاہران کو یہ غلط فہمی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اورآخرت میں مغفرت وجنت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی دنیااوراس کی لذتوں سے بالکل کنارہ کشی اختیارکرلےاور بس اللہ کی عبادت میں لگارہے،اپنی اسی غلط فہمی کی بناء پر وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی حال ہوگا۔لیکن جب اُن کوازواج مطہرات سے عبادت (نمازروزے وغیرہ) کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول معلوم ہواتوانہوں نے اپنے خیال کے لحاظ سے اس کو بہت کم سمجھا،لیکن از راہ عقیدت وادب اس کی توجیہ یہ کی کہ آپ ﷺ کیلئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت میں درجات عالیہ کا پہلے ہی فیصلہ ہوچکاہے،اس لئے آپ ﷺ کو عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہمارا معاملہ دوسرا ہے، اس لئے ایک نے تو کہا: میں پوری نماز پڑھونگا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھونگا، تیسرے نے کہا: میں شادی بیاہ نہیں کرونگا،اورعورتوں سے ہمیشہ دُوررہونگا۔

رسول اللہ ﷺ کوخبرملی تو آپ ﷺ نے تینوں کی اصلاح اور تنبیہ فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ مجھےتم سب سے زیادہ خدا کا خوف اورآخرت کی فکر ہے،اس کے باوجودمیراحال یہ ہے کہ میں راتوں کو نمازبھی پڑھتاہوں،آرام بھی کرتاہوں،دِنوں میں روزے سےبھی رہتاہوں اور بلاروزے کےبھی رہتاہوں، میری بیویاں ہیں،اوران کےساتھ ازدواجی زندگی گزارتاہوں۔زندگی کا یہی وہ طریقہ ہے جومیں بہ حیثیت نبی ورسول کے اللہ تعالیٰ کی طرف سےلیکرآیاہوں،اب جوکوئی اِس طریقہ سے ہٹ کر چلے اوراس سے منھ موڑےوہ ہم میں سےنہیں ہے۔

صرف عبادت اورذکروتسبیح میں مشغول رہنافرشتوں کا حال ہے،اللہ تعالیٰ نے ان کوایسا ہی پیدا کیاہے کہ ان کےساتھ نفس کا کوئی تقاضا نہیں ہے،اُن کیلئے ذکروعبادت قریب قریب ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لئے سانس کی آمدورفت۔لیکن ہم بنی آدم کھانے پینے کی جیسی بہت سی ضرورتیں اورنفس کے بہت سے تقاضے لیکر پیدا کئے گئے ہیں،اورانبیاءعلیہم السلام کے ذریعہ ہم کوتعلیم دی گئی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اوراس کی مقررکی ہوئی حدودواحکام کی پابندی کرتے ہوئے اپنی دینوی ضرورتیں اورنفسانی تقاضے پورے کریں اور باہمی حقوق کوصحیح طورسےاداکریں۔یہ بڑاسخت امتحان ہے،انبیاءعلیہم السلام کا طریقہ یہی ہےاوراسی میں کمال ہے،اسی لئے وہ فرشتوں سےافضل ہیں،اوران میں بہترین نمونہ خاتم النبیین

سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہے۔

حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کثرتِ عبادت کوئی غلط چیز ہے بلکہ اس کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ وہ ذہنیت اور وہ نقطۂ نظر غلط اور طریقہ محمدی ﷺ کے خلاف ہے جس کی بنیاد پر اُن تین صاحبوں نے اپنے بارے میں وہ فیصلے کئے تھے۔ غالبًا انہوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کا راتوں میں آرام فرمانا، ہمیشہ روزہ رکھنا، ازدواجی زندگی اختیار کرنا اور اس طرح کے دوسرے مشاغل میں مشغول ہونا اپنے طرز عمل سے اُمت کی تعلیم کیلئے تھا، اور یہ کار نبوت کا جز تھا، اور یقیناً آپ ﷺ کے حق میں یہ نفلی عبادات سے افضل تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کبھی کبھی اتنی عبادت فرماتے کہ پائے مبارک پر وَرم آجاتا اور جب آپ ﷺ سے عرض کیا جاتا کہ آپ ﷺ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ ﷺ فرماتے: ''اَفَلا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا''۔

اللہ کے رسول ﷺ جہاں راتوں رات اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے، کئی کئی دن مسلسل روزہ رکھتے، مگر دینوی ضروریات اور تقاضے بھی پورے کرتے، اللہ کے رسول ﷺ اپنے ارشاد اور عمل کے ذریعہ امت مسلمہ کو واضح کر کے بتا دیا ہے کہ مذہب اسلام نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی ہے، اور رہبانیت، یعنی دنیا سے کٹ کر زندگی گذارنا طریق محمد ﷺ اور تعلیم محمد ﷺ کے خلاف ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا طریقہ اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہی ایک مسلمانوں کیلئے اُسوہ اور قابل نمونہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دینوی کاروبار سے قطعاً منع نہیں کیا ہے، بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا ہے: کہ پوری سچائی، ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا کل قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، یعنی انسان اگر دنیا میں ہے، دنیاوی ضروریات اور تقاضوں سے وہ الگ نہیں ہے، ہاں یہ ضرور ہے دنیاوی تقاضوں پر اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق ہی عمل کرے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں طریق محمدی ﷺ پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

❍❖❍

مقالات ومضامین

سوشل میڈیا... صحیح اور غلط استعمال؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

انسان اپنی تمام ضروریات اپنے آپ پوری نہیں کرسکتا، اسے اپنی خواہش، اپنی ضرورت اور اپنا مدعا دوسروں تک پہنچانا پڑتا ہے، پہنچانے کے عمل کو 'ابلاغ' کہتے ہیں، ابلاغ کے لئے انسان کو دو قدرتی ذرائع مہیا کئے گئے ہیں، ایک: زبان، جس کے ذریعہ آپ قریب کے لوگوں تک اپنی بات پہنچا سکتے ہیں، دوسرے: قلم، جس کے ذریعہ آپ کوئی بات لکھ سکتے ہیں اور اسے کسی ذریعہ سے دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں، ابلاغ کے یہ دو ذرائع شروع سے استعمال ہوتے رہے ہیں، قرآن مجید میں انبیاء کی دعوت کا ذکر آیا ہے، وہ قوم کو اپنی بات سمجھانے کے لئے زبانی تخاطب کا طریقہ استعمال کیا کرتے تھے، تحریر کے ذریعہ دور تک اپنی بات پہنچانے کی مثال بھی قرآن مجید میں موجود ہے؛ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا بلقیس کو خط ہی کے ذریعہ اپنا پیغام پہنچایا تھا اور ایک پرندہ نے نامہ بر کا فریضہ انجام دیا تھا۔ (النحل:۹۲)

جب کوئی عمومی دعوت ومشن ہو تو اس کے لئے ایسا ذریعہ استعمال کرنا جو ایک ہی وقت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ جائے، رسول اللہ ا کی سنت ہے، مکہ میں پہلے سے یہ طریقہ آرہا تھا کہ جب بیک وقت تمام اہل مکہ کو کوئی اہم خبر پہنچانی ہوتی تو صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان کیا جاتا، تمام لوگ پہاڑی کے دامن میں جمع ہوجاتے اور کہنے والا اپنی بات کہتا، رسول اللہ ا جب نبوت سے سرفراز کئے گئے، تو آپ نے اہل مکہ تک دعوت توحید پہنچانے کے لئے اسی قدیم ذریعہ ابلاغ کو اختیار کیا؛ البتہ اس میں جو بعض غیر اخلاقی طریقے شامل کر لئے جاتے تھے، جیسے: شدت مصیبت کے اظہار کے لئے سروں پر خاک اڑانا، یا بے لباس ہوجانا، آپ ا نے اس سے اجتناب فرمایا۔

پورے جزیرۃ العرب تک اپنی بات پہنچانے کا ذریعہ مکہ مکرمہ اور اس کے مضافات میں منعقد ہونے والے حج اور تجارتی اجتماعات تھے، حج میں تو پورے عرب سے لوگ کھنچ کھنچ کے آتے ہی تھے، اس کے علاوہ عکاظ اور ذوالمجاز وغیرہ کے میلے بھی لگتے تھے، ان اجتماعات میں جو بات کہی جاتی، جو تقریریں کی جاتیں اور جو اشعار پیش کئے جاتے، پورے عرب میں اس کی گونج سنی جاتی اور لوگوں میں اس کا خوب چرچا ہوتا، پوری

سرزمین عرب تک اپنی بات پہنچانے کا اس سے مؤثر کوئی اور ذریعہ نہیں تھا؛ حالاں کہ ان میلوں میں یہاں تک کہ حج میں بھی بہت سی منکرات شامل ہوا کرتی تھیں؛ لیکن آپ انے مفاسد سے بچتے ہوئے دعوت اسلام کو عرب کے کونے کونے تک پہنچانے کے لئے اس موقع کا بھرپور استعمال فرمایا، یہی چیز حضرت ابوذر غفاریؓ وغیرہ کے دامن اسلام میں آنے کا ذریعہ بنا، اور یہیں سے اسلام کی کرن مدینہ کی سرزمین تک پہنچی اور ایک آفتاب عالم تاب بن کر پورے عالم پر درخشاں ہوئی۔

لیکن ابھی عرب سے باہر اسلام کو پہنچانے کا مرحلہ باقی تھا اور اس کے لئے خط وکتابت کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا؛ چنانچہ ہجرت کے چھٹے سال جب اہل مکہ سے صلح ہوگئی، جو ُصلح حدیبیہ' کے نام سے جانی جاتی ہے اور اہل مکہ کی یلغارِ مسلسل سے مسلمانوں کو کچھ اطمینان ہوا تو آپ انے پہلا کام یہی کیا کہ عرب کے گرد و پیش موجود بڑی طاقتوں اور اس وقت کی معلوم دنیا کے حکمرانوں تک دعوتی خطوط بھیجے، حدیث کی متداول کتابوں میں تو چھ فرماں رواؤں کے نام خطوط کا ذکر ملتا ہے؛ لیکن دنیائے تحقیق کے تاجدار ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحبؒ کے بقول ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، یہاں تک کہ چین تک یہ دعوت پہنچائی گئی، گویا آپ انے دور دراز علاقوں تک پیغام حق پہنچانے کے لئے پوری وسعت کے ساتھ اس ذریعہ ابلاغ کا استعمال فرمایا۔

کائنات میں ارتقاء کا عمل جاری ہے، ہر صبح جب طلوع ہوتی ہے تو اپنے جلو میں ترقی کا ایک نیا پیغام لے کر آتی ہے اور ہر شب جب کائنات کی فضاء پر چھاتی ہے تو وہ کسی نئی حقیقت سے پردہ اُٹھانے کا مژدہ سناتی ہے، ترقی کا یہ سفر جیسے زندگی کے دوسرے شعبوں میں جاری ہے، اسی طرح ذرائع ابلاغ کے میدان میں بھی پوری قوت اور تیز گامی کے ساتھ جاری وساری ہے؛ بلکہ اس میدان میں ٹکنالوجی کی ترقی دوسرے شعبہ ہائے زندگی کے مقابلہ زیادہ تیز ہے، ہم لوگوں نے اپنے بچپن میں دیکھا کہ اس وقت ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ ہی بہت بڑی چیز تھی اور فون وٹیلی گرام کو حیرت واستعجاب کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؛ لیکن آج اگر کوئی شخص ان ایجادات کو حیرت ورشک کی نظر سے دیکھے تو بچے بھی اس پر ہنسیں گے؛ چنانچہ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا نے دُور دُور تک اپنی بات پہنچانے کو آسان کردیا اور اس کی رفتار ہوا کی رفتار سے بھی بڑھ گئی، افسوس کہ مسلمان ان تمام مرحلوں میں مسلسل پسماندگی کا شکار رہے، ہم ترقی کے قافلہ کا سالار بننے کی بجائے اس قافلہ میں شامل آخری فرد بھی نہ بن سکے اور گرد کارواں بننے ہی کو اپنے لئے بڑی نعمت سمجھا، اس کا نتیجہ یہ

ہوا کہ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر عالمی اعتبار سے یہودی حاوی ہو گئے وطن عزیز ہندوستان میں فرقہ پرستوں کا بول بالا ہو گیا، اور میڈیا کے ہتھیار سے ہمارے ملی مفادات، تہذیبی اقدار، قومی وقار اور دینی افکار کا اس طرح قتل کیا گیا کہ شاید توپ اور ٹینک کے گولوں اور فائیٹر جہازوں کی طرف سے ہونے والی آگ کی برسات بھی ہمیں اس درجہ نقصان نہیں پہنچا پاتی: ’’فیا اسفاہ ویا عجباہ‘‘!

ادھر بیس سے پچیس سال کے درمیان ابلاغ کے ایسے ذرائع عام ہوئے، جن کو ’سوشل میڈیا‘ کہا جاتا ہے، اس کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس پر اب تک حکومت یا کسی خاص گروہ کی اجارہ داری نہیں ہے، خدا کرے یہ صورت حال باقی رہے، اس میں خاصا تنوع بھی ہے، جس میں واٹس اپ، فیس بک، یوٹیوب، ٹیوٹر، اسکائپ وغیرہ شامل ہیں؛ لیکن یہ ایک بہتا ہوا سمندر ہے، جس میں ہیرے اور موتی بھی ڈالے جاسکتے ہیں اور خس و خاشاک بھی، اس میں صاف شفاف پانی بھی اُنڈیلا جاسکتا ہے اور گندہ بدبودار فُضلہ بھی، اس سے دینی، اخلاقی اور تعلیمی نقطہ نظر سے مفید چیزیں بھی پہنچائی جاسکتی ہیں اور انسانی و اخلاقی اقدار کو تباہ کرنے والی چیزیں بھی، دوسری طرف اس کا اثر اتنا وسیع ہو چکا ہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کا نفوذ اس درجہ کا ہے کہ اس کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا اور گزرنے والے ہر دن کے ساتھ اس کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے؛ اس لئے اگرچہ بہت سے لوگوں نے خلوص اور بہتر جذبہ کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کی؛ لیکن بالآخر انھیں اس کی سرکش موجوں کے سامنے ہتھیار ڈالنا ہی پڑا؛ اس لئے اب ہمیں اس ذریعہ ابلاغ کے مثبت اور منفی اور مفید و نقصاندہ پہلو کا تجزیہ کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں تمام مسلمانوں اور خاص کر ملت کی نوجوان نسل کی رہنمائی کرنی چاہئے۔

سوشل میڈیا کے جو منفی اور نقصاندہ پہلو ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) یہ جھوٹی خبریں پھیلانے کا ایک بڑا نیٹ ورک بن گیا ہے اور اکثر بہت سی باتیں کسی تحقیق کے بغیر اس میں ڈال دی جاتی ہیں؛ کیوں کہ اس پر حکومت یا کسی ذمہ دار ادارہ کی گرفت نہیں ہے، جب کہ اسلام نے ہمیں جھوٹ تو جھوٹ؛ ہر سنی ہوئی بات نقل کر دینے اور بلا تحقیق کسی بات کو آگے بڑھانے سے بھی منع کیا ہے۔ (حجرات:۶)

(۲) عام جھوٹی خبروں کے علاوہ یہ لوگوں کی غیبت کرنے، ان کی کوتاہیوں کو طشت از بام کرنے، یہاں تک کہ لوگوں پر بہتان تراشی اور تہمت اندازی کے لئے بھی وسیلہ بن گیا ہے اور انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب کسی اچھے آدمی کے بارے میں کوئی بُری بات کہی جائے، خواہ وہ بات کتنی ہی ناقابل اعتبار ہو تو لوگ

اس کا آنکھ بند کر کے یقین کر لیتے ہیں، جس کی کھلی مثال رسول اللہ کے زمانہ میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت کا واقعہ ہے، جو خود عہد نبوی میں پیش آیا اور بعض سادہ لوح مسلمان بھی منافقین کے اس سازشی پروپیگنڈہ سے متاثر ہو گئے۔

(۳) اس ذریعہ ابلاغ کو نفرت کی آگ لگانے اور تفرقہ پیدا کرنے کے لئے بھی بکثرت استعمال کیا جاتا ہے، فرقہ پرست عناصر تو یہ حرکت کرتے ہی ہیں؛ لیکن خود مسلمانوں کے درمیان مسلکی اختلافات کو بڑھاوا دینے میں اس کا بڑا اہم رول رہا ہے، اس میڈیا پر مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے انسانیت دشمن جذباتی مقررین کی تقریریں بھی موجود ہیں اور مسلمانوں کے مختلف مسالک کے درمیان مناظروں کی شرمناک محفلیں بھی، جو بہت تیزی سے باہمی نفرت کو جنم دیتی اور فساد کی آگ بھڑکاتی ہیں۔

(۴) اس میڈیا کا دہشت گردی اور تشدد کیلئے بھی استعمال کیا جارہا ہے اور استعمال کرنے والوں میں مختلف مذاہب کے خود ساختہ نمائندے شامل ہیں، جنھوں نے لوگوں کی نگاہوں میں دُھول جھونکنے کیلئے مذہب کا مقدس لباس پہن رکھا ہے۔

(۵) اس ذریعہ ابلاغ کا سب سے منفی پہلو 'فحشاء' کی اشاعت اور بے حیائی کی تبلیغ ہے، جو چیز انسان کو اپنے خلوت کدہ میں گوارہ نہیں ہوسکتی، وہ یہاں ہر عام وخاص کے سامنے ہے، یہ اخلاقی اقدار کے لئے تباہ کن اور شرم وحیاء کے لئے زہر ہلاہل سے کم نہیں، اور افسوس کہ حکومتیں ایسی سائٹوں کو روکنے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتیں، ورنہ سماج بے حیائی کے اس سیلاب بلاخیز سے بچ سکتا تھا۔

* ان منفی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس کے بہت سے مثبت اور مفید پہلو بھی ہیں اور اس کا صحیح استعمال کر کے اسلامی اور انسانی نقطہ نظر سے بہت سے اچھے کام کئے جاسکتے ہیں، جن کا تذکرہ مناسب ہوگا:

(۱) بچوں، جوانوں، عورتوں، بوڑھوں اور عام مسلمانوں میں ان کی ضرورت کے لحاظ سے دین کی تعلیم واشاعت اور اخلاقی تربیت کے لئے اس کو آسانی کے ساتھ بہت مؤثر طریقہ پر استعمال کیا جاسکتا۔

(۲) اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جاتی ہیں اور زیادہ تر اسی راستہ سے کی جاتی ہیں، اسی میڈیا سے ان کا مؤثر طور پر رد کیا جاسکتا ہے۔

(۳) تعلیم کے لئے اب یہ ایک مؤثر ذریعہ بن چکا ہے اور جیسے ایک طالب علم کلاس روم میں بیٹھ کر تعلیم

حاصل کرتا ہے، یا اپنے ٹیوٹر کے سامنے بیٹھ کر کلاس روم کی کمی کو پورا کرتا ہے؛ اسی طرح وہ اس ذریعہ ابلاغ سے بھی علم حاصل کرسکتا اور اپنی صلاحیت کو پروان چڑھا سکتا ہے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسی کوردہ دیہات میں بیٹھے ہوئے طالب علم کے لئے بھی اس کے ذریعہ مشرق ومغرب کے ماہر ترین اساتذہ سے کسبِ فیض کرنا ممکن ہے، ایسے تعلیمی مفادات کے لئے اس ذریعہ سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔

(۴) صحت وعلاج کے شعبہ میں بھی اس سے مدد لی جاسکتی ہے؛ بلکہ لی جارہی ہے، اس کے ذریعہ ماہر ترین معالجین سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ ہندوستان میں ایک ڈاکٹر آپریشن کرتے ہوئے امریکہ کے کسی ڈاکٹر کے مشورہ سے مستفید ہوسکتا ہے۔

(۵) موجودہ صورت حال یہ ہے کہ پرنٹ میڈیا نیز نیشنل اور انٹرنیشنل الیکٹرانک میڈیا جھوٹی خبریں بنانے اور پھیلانے، نیز سچی خبروں کو دبانے اور چھُپانے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے میں لگا ہوا ہے اور نہایت مہارت کے ساتھ مظلوم کو ظالم اور ظالم کو مظلوم بنا کر پیش کر رہا ہے، ان حالات میں سوشل میڈیا کے ذریعہ سچائی کو پیش کرنے اور جھوٹ کی قلعی کھولنے کی اہم خدمت انجام دی جاسکتی ہے؛ چنانچہ عالمی وملکی سطح پر کئی واقعات ایسے ہیں، جن میں سوشل میڈیا کی حقیقت بیانی نے ظالموں اور دروغ گویوں کو شرمندہ کیا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سوشل میڈیا کا اچھے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اور اس کی مضرتوں سے نئی نسل کو بچایا جائے؛ کیوں کہ جن چیزوں میں نفع اور نقصان دونوں پہلو ہوں، اور اس ذریعہ کو بالکل ختم کردینا ممکن نہ ہو تو اسلامی نقط؟ نظر سے اس کے لئے یہی حکم ہے کہ اس کو مفید طریقہ پر استعمال کیا جائے اور نقصاندہ پہلوؤں سے بچا جائے، جس چاقو سے کسی جانور کو حلال طریقہ پر ذبح کیا جاسکتا ہے اور کسی بیمار کو نشتر لگایا جاسکتا ہے، وہی چاقو کسی بےقصور کے سینہ میں پیوست بھی کیا جاسکتا ہے، تو ہمارے لئے یہی راستہ ہے کہ ہم چاقو کے صحیح استعمال کی تربیت کریں۔

اس پہلو سے سوشل میڈیا میں جن باتوں سے نئی نسل کو بچانے کی ضرورت ہے، ان میں چند اہم نکات یہ ہیں:

(۱) چھوٹے بچوں کو جہاں تک ممکن ہو، اس سے دُور رکھا جائے؛ تاکہ ان کی پہنچ ایسی تصویروں تک نہ ہوجائے، جو ان کے ذہن کو پراگندہ کردے، یا قتل وظلم کے مناظر دیکھ کر ان میں مجرمانہ سوچ پیدا ہوجائے۔

(۲) طلبہ وطالبات اور نوجوانوں کو تعلیمی اور تعمیری مقاصد کے لئے ایک مختصر وقت ان ذرائع سے

استفادہ کے لئے مخصوص کر لینا چاہئے ؛ کیوں کہ اس کا بہت زیادہ استعمال انسان کو وقت ضائع کرنے کا عادی بنا دیتا ہے اور پیغامات کی تسلسل کی وجہ سے وہ بعض اچھی چیزوں کو بھی اتنی دیر تک دیکھنے کا خوگر ہو جاتا ہے کہ اصل کام سے اس کی توجہ ہٹ جاتی ہے، یہ بھی ایک طرح کا لہو ولعب ہے جس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ صحت کے نقطہ نظر سے بھی نہایت نقصاندہ ہے۔

(۳) جو عمل عام حالات میں جائز نہیں ہے، وہ ان ذرائع کے ذریعہ بھی جائز نہیں ہے، جیسے: جھوٹ، بہتان تراشی، لوگوں کی کوتاہیوں کو طشت از بام کرنا، مذاق اُڑانا، سب وشتم کے الفاظ لکھنا یا کہنا، یہ سب کبیرہ گناہ ہیں اور ان سے بچنا شرعی فریضہ ہے۔

(۴) ایسی خبریں لکھنا یا ان کو آگے بڑھانا جن سے اختلاف بڑھ سکتا ہے، جائز نہیں ہے، اگر چہ کہ وہ سچائی پر مبنی ہوں؛ اس لئے کہ جو سچ مسلمانوں کے دلوں کو پارہ پارہ کرتا ہو اور انسان اور انسان کے درمیان نفرت کی بیج بوتا ہو، اس سے وہ جھوٹ بہتر ہے، جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے اور اختلاف کو اتحاد سے بدلنے کا کردار ادا کر سکے۔

(۵) ایسی چیزیں دیکھنا، دِکھانا، لکھنا اور پڑھنا، سب کا سب حرام ہے، جو فحشاء اور بے حیائی کے دائرہ میں آتا ہو، خواہ وہ تصویر کی شکل میں ہو یا آواز کی، تحریر کی شکل میں ہو یا کارٹون کی، شعر کی شکل میں ہو یا لطیفہ کی، ان سے اپنی حفاظت کرنا اس دور میں نوجوانوں کے لئے بہت بڑا جہاد اور ایک عظیم عبادت ہے۔

(٦) سوشل میڈیا پر اسلام اور پیغمبر اسلام، مسلمانوں کی تاریخ اور مقدس مقامات وشخصیات کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں بھی آجاتی ہیں، جو بجا طور پر نوجوان تو کیا ہر مسلمان کے خون کو گرما دینے اور دل کو کھولا دینے کے لئے کافی ہیں؛ لیکن اس کے باوجود ہمیں صبر، سنجیدگی اور متانت سے کام لینا چاہئے اور ایسے جذباتی ردعمل کا اظہار نہیں کرنا چاہئے، جو نفرت کو بڑھانے والا ہو، اگر ناشائستہ باتوں پر اس طرح کے کومنٹ (Comment) کئے گئے تو جو لوگ اسلام، امن اور انسانیت کے دشمن ہیں، ان کا مقصد پورا ہو جائے گا، اس کی بجائے علم کی روشنی میں مدلل اور سنجیدہ طریقہ پر ان کا جواب دینا اور ان کی بات پر ریمارک کرنا چاہئے؛ کیوں کہ جذبات واشتعال سے وہ لوگ کام لیتے ہیں، جن کے پاس دلیل کی قوت نہیں ہوتی، جن کے پاس دلیل کا ہتھیار موجود ہو، ان کو بے برداشت ہونے کی ضرورت نہیں۔ بقیہ صفحہ 41/ پر ملاحظہ ہو!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں!

نایاب حسن قاسمی

ہندوستانی علما و مفکرین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۰۳ء-۱۷۶۳ء) کو تنِ تنہا یہ امتیاز حاصل ہے کہ آج برصغیر کے تقریباً تمام ہی اسلامی مکاتبِ فکر کے متبعین اپنے آپ کو اُن کے فکری اسکول سے نہ صرف منسوب کرتے ہیں؛ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے افکار، تصورات اور علمی متروکات ہی میں وہ اپنے اپنے مسلک کیلئے تائیدی دلیلیں بھی تلاش کرتے ہیں۔

یقیناً ایسی خصوصیت صرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو حاصل ہے اور اس میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ایسے وقت میں امت میں اتفاق و توافق کی بنیادیں تلاش کیں اور ان کی عملی تطبیق کی کوششیں کیں، جب بطورِ خاص متحدہ ہندوستان کے مسلمان ایک جانب عملی کوتاہیوں اور سیاہ کاریوں کا شکار تھے، ان کے معاشرے میں ہندوانہ رسوم ورواج اور بدعتوں کا دوردورہ تھا، ان کے طرزِ زندگی میں اسلامی تعلیمات وافکار کا پرتو دِکھنے کی بجائے ہندوستان کے برہمنوں، راجپوتوں اور برادرانِ وطن کی دیگر برادریوں میں پائی جانے والی وبائیں عام تھیں۔

دوسری جانب اہلِ علم وفقہ کے طبقے اپنے اپنے خول سے باہر آنے کو تیار نہ تھے، ان میں کا ایک طبقہ ہمیشہ دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے درپے رہتا اور افسوس کی بات یہ تھی کہ وہ سب کے سب اس مہم میں کامرانی کیلئے شرعی دلائل کا سہارا لیتے تھے، وہ بیشتر اوقات فقہی مسائل اور فروعی نزاعات میں اُلجھے رہتے، پھر اس اُلجھاوے کا اثر صرف اُن علماء تک ہی محدود نہ تھا؛ بلکہ تمام مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں تھے اور ان کی اصل اجتماعی وملی حیثیت مخفی ومشتبہ ہوکر رہ گئی تھی؛ بلکہ سیاسی ومعاشرتی سطح پر بھی اس قسم کے اختلافات کے اندوہ ناک نتائج سامنے آرہے تھے۔ اہلِ علم وفکر کا ہر طبقہ وفرقہ اپنے اپنے مزعومات کی تصحیح میں ایڑی سے لے کر چوٹی تک کا زور لگانے میں مصروف تھا اور اس بے جا مسابقت ومنافست کے ماحول میں اصل علمی وفکری سوتے خشک ہوتے جارہے تھے۔

یہ ہندوستانی مسلمانوں کا بہت بڑا المیہ تھا کہ اُن تک اسلام تو صدیوں پہلے پہنچ چکا تھا، مگر وہ ستر ہویں صدی عیسوی تک بھی اسلامی علوم وفنون کے اصل منابع (قرآن وحدیث) سے اعراض کرکے منطقی موشگافیوں، کلامی جھگڑوں اور فقہی تنازعات کو علمی اُکھاڑ پچھاڑ کی آماجگاہ بنائے ہوئے تھے اور اسی کو علمی وفکری رسائیوں کی معراج سمجھتے تے۔شاہ صاحب نے علماوعوام کی قرآنِ کریم سے دوری کو دیکھتے ہوئے اولاً باقاعدہ درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور پھر ان میں قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنے اور اُنھیں کلامِ الٰہی میں تدبر وتذکر کی دعوت دینے کیلئے **''فتح الرحمٰن''** کے نام سے فارسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ (آغاز ۱۷۳۷ء-اختتام ۱۷۳۸ء) کیا، یہ کسی بھی ہندوستانی زبان میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ تھا۔

حیرت کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ شاہ صاحب کے اِس عظیم الشان کارنامے پر ان کے معاصر علماء اُن کی حوصلہ افزائی کرتے اور احسان شناسی کا ثبوت دیتے، اُن کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے، حتی کہ بہت سے علمائے سو نے یہ پروپیگنڈہ بھی کیا کہ یہ شخص قرآنِ کریم کا ترجمہ کرکے لوگوں کو گمراہ کرنا اور بدعت ایجاد کرنا چاہتا ہے، بہت سے بدطینت تو ایسے بھی تھے، جو ان کی جان کے درپے ہوگئے، مگر چوں کہ شاہ صاحب کا یہ واقعتاً اپنی نوعیت کا ایک انتہائی منفرد کام تھا اور تفہیمِ کلامِ الٰہی کی سمت میں ایک مضبوط ترین کوشش تھی؛ اس لیے دو چار دس ''حرم فروش فقیہوں'' کے شوروغوغا سے آپ کی اس منفرد پیش کش کو مزید شہرت ملی اور بہت جلد سارا ہندوستان اس اولین فارسی ترجمے کی افادیت کا قائل اور اس کا قدرشناس ہوگیا۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحب سے پہلے حدیث جیسے بابرکت علم کے تئیں بھی عجیب وغریب؛ بلکہ افسوس ناک بے اعتنائی کا ماحول پایا جاتا تھا، پورے تدریسی نصاب میں حدیث کے نام پر صرف **''مشارق الانوار''** پڑھائی جاتی تھی، جبکہ دوسری جانب منطق وفلسفہ اور علمِ کلام کی بیسیوں کتابیں نصابِ درس میں شامل تھیں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ہندوستان میں علمِ حدیث کو رواج دینے کی بڑی جدوجہد کی، مگر وہ رائج نصاب میں خطیب تبریزی کی **''مشکوۃ المصابیح''** کے علاوہ اور کوئی کتاب داخل نہ کرسکے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ۱۷۳۱ء میں بغرضِ حج وحصولِ علم حجاز کا سفر کیا، وہاں تقریباً ایک سال تک مقیم رہے اور وقت کے کبارِ علما ومحدثین سے استفادہ کرکے اگلے سال ہندوستان لوٹے، آنے کے بعد ''مہندیان'' دہلی کے مدرسہ رحیمیہ سے ایک انقلابی نظام ونصابِ تعلیم کا آغاز کیا، ایسا نصاب، جس میں

عربی ادب ونحو سے لے کر حسبِ ضرورت منطق وفلسفہ بھی پڑھائے جاتے تھے،مگر ان کی درس گاہ میں تفسیر،حدیث،اسرارِشریعت اور تفہیمِ سنت جیسے موضوعات کو اولیت حاصل تھی،ان کے مدرسے سے فارغ ہونے والا طالبِ علم ایک ایسا عالم ہوتا تھا،جو واقعتاً مسلمانوں کی ہر شعبۂ حیات میں رہنمائی وامامت کرنے کی صلاحیت سے لیس ہوتا تھا۔علمِ حدیث میں اس سے پہلے **''مشارق الانوار''** اور پھر **''مشکوۃ المصابیح''** کو ہی منتہی کتابیں باور کیا جاتا تھا،مگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجاز سے واپس آنے کے بعد علمِ حدیث کی تدریس کا نیا منہج اور نظام شروع کیا اور ان ہی کی بدولت ہندوستان میں صحاحِ ستہ کی باقاعدہ تدریس کے دور کی ابتدا ہوئی،اسی وجہ سے شاہ صاحب کو''مسندالہند'' بھی کہا جاتا ہے،کہ بارہویں صدی ہجری سے لے کر اب تک سارے حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کے اساتذہ کا سلسلہ اُن ہی سے ہوکر گزرتا ہے،بعد کی صدیوں میں دیوبند کو اس نصاب کی ترویج میں خاص شہرت حاصل ہوئی،دیگر تعلیمی اداروں نے بھی اپنے اپنے طریقے سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے رائج کردہ طریقۂ تدریس کی ہی اتباع کی اور اس طرح ولی اللّٰہی مدرسۂ فکر برصغیر کے اسلامی مسالکِ فکر وتعلیم کا اہم مرجع بن گیا۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فقہ میں افراط وتفریط کی بجاے اعتدال ومیانہ روی کی راہ نکالی اور فقہی مسائل میں ائمۂ متبوعین کے اختلافات میں تطبیق وتوفیق کیلئے ایک خاص نہج کی گویا''دریافت'' کی، جس مسئلے میں متعدد ائمۂ فقہ کا اختلاف ہو،وہاں انھوں نے یہ موقف اپنایا کہ ان میں اولاً جمع وتطبیق کی کوشش کی جائے اور اگر ممکن نہ ہو،تو کسی بھی مسئلے میں جس امام کا قول یا مذہب حدیثِ صریح سے اقرب واوفق ہو،اُسے اختیار کیا جائے۔شیخ اکرام نے شاہ صاحب کی اس خوبی کو ان کی ذہانت ووسعتِ علمی کی علامت قرار دیتے ہوئے''رودِکوثر'' میں لکھا ہے:

''وہ اختلافی مسائل میں ایسا راستہ ڈھونڈتے ہیں اور اپنی علمی وسعت اور ذہانت کی مدد سے اکثر ایسا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں،جس پر فریقین متحد ہوسکیں''۔(ص:۵۸۲)

اس موضوع پر حضرت شاہ صاحب نے باقاعدہ ایک کتاب **''الانصاف فی بیان سبب الاختلاف''** تحریر فرمائی ہے،اس کتاب میں بنیادی طور پر دینی مسائل میں عہدِ صحابہ سے لے کر تابعین وتبع تابعین اور ائمۂ متبوعین کے زمانے تک پائے جانے والے اختلافات کے حقیقی اسباب کی نشان دہی کی گئی ہے،ان میں

جمع وتطبیق کی شکلوں کا ذکر کیا گیا ہے اوران اختلافات کو بنیاد بنا کر مسائل کی تفہیم وتطبیق میں شدت پسندانہ ماحول پیدا کرنے والے علما پر بھی اورعوام پر بھی شدید تنقید کی گئی ہے۔اس کے باوجود کہ شاہ صاحب عملی اعتبار سے حنفی المسلک تھےاوراپنے تعارف میں''الحنفي عملاً''ضرور لکھا کرتے تھے(شاہ صاحب نے ''**فیوض الحرمین**''میں اپنے فقہی مسلک کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہےاورلکھاہے کہ''مجھے اللہ کے رسول کی جانب سے الہام ہوا ہے کہ اس زمانے میں مذہبِ حنفی ایک بہتر عملی مسلک اورامام بخاری وغیرہ اہلِ حدیث کے زمانے میں جمع کیے گئے ذخیرۂ احادیث سے قریب ترین ہے...''(ماہنامہ الفرقان،شاہ ولی اللہ نمبر:)

ایک جگہ شاہ صاحب اختلافِ ائمہ کے تعلق سے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''بقدرِ امکان جمع می کنم در مذاہبِ مشہورہ مثلاً:صوم وصلوٰۃ ووضوو غسل وحج بوصفے واقع میشود کہ ہمہ اہلِ مذاہب صحیح می دانند وعند تعذُّرِ الجمع باقویٰ مذاہب از روے دلیلِ موافقتِ صریح حدیث عمل می نمایم''۔(الانصاف،ص:۷۰)

میں ممکن حد تک مشہور فقہی مسالک میں جمع وتطبیق کی کوشش کرتا ہوں،مثلاً:نماز،روزہ،وضو،غسل اور حج کے مسائل میں ایسا موقف اختیار کرتا ہوں کہ جو تمام مسالک والوں کے نزدیک درست ہواور جب ان میں باہم جمع وتطبیق کا امکان معدوم ہوجاتا ہے،تب میں صریح حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اسی پر عمل کرتا ہوں)موجودہ دور میں جب کہ مسلمانوں کے تمام مسالک ومکاتبِ فکر روحانی طور پراپنے کوشاہ ولی اللہ دہلوی سے منسوب کرتے ہیں،اُنھیں فکرِ ولی اللّٰہی کے اس پہلو پر خاص طور سے غورکرنا اوراسے کسوٹی بنا کر یہ دیکھنا چاہیے کہ کیاان کا طرزِعمل اُس پر کھرا اترتا ہے؟

شاہ صاحبؒ کے زمانے میں ہندوستان میں ایک طبقہ صوفیوں کا بھی تھا،ان میں سے کچھ تو واقعی صوفی تھے،جن کی باطن کی دنیا منوروتابناک ہوتی اورجن کی نگاہِ دوررس میں تقدیروں کے بدلنے کی صلاحیت ہوتی تھی،مگرایسے صوفی بہت کم تھے،البتہ اُن کے مقابلے میں ایسے صوفیوں کی بھرمار تھی،جنھوں نے تصوف کو کسبِ دنیا کا ذریعہ اورتقشّف کوبھولے بھالےعوام کو پھنسانے کا وسیلہ بنارکھا تھا،ان کی اپنی ایک دنیا تھی اوروہ اس دنیا میں کسی کواپنا شریک وسہیم نہیں دیکھنا چاہتے تھے،یہ لوگ ذاتی مفادات کی برآری کیلئے شرعی استدلالات کا سہارا لیتے اورعامۃ المسلمین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے کہ گویاوہ کسی اوردنیا کی مخلوق ہیں، ایسے ہی لوگوں کی بدولت مسلمانوں میں عقیدے کی بے شمار گمراہیوں اورکج رویوں کے ساتھ بدعملیوں کے

بھی ان گنت دروازے کھل گئے تھے۔

الغرض ان دنیا دار متصوفین نے مذہب وشریعت کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا۔ شاہ صاحب کے گرد و پیش میں بھی اور ہندوستان بھر کے طول وعرض میں بھی ایسے پاکھنڈیوں کے ٹولے پائے جاتے تھے، جو مسلمانوں کی دنیا وعقبیٰ دونوں کی تباہی کا سامان کر رہے تھے؛ حالاں کہ شاہ صاحب سے پہلے حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس حوالے سے غیر معمولی جد وجہد کی تھی اور ہندی مسلمانوں کے فکر وعقیدہ کی تصحیح وتحفظ کیلئے جاں توڑ کوششیں کی تھیں، مگر بہت جلد ہی ان کی تعلیمات کے اثرات معدومیت کی کگار پر پہنچ چکے تھے اور عقیدہ وعمل کی گمراہیوں میں ہندوستان کے مسلمان بری طرح ملوث تھے، اس میں اہم رول ان صوفیوں کا تھا، جن کا ظاہر چمک دار، مگر باطن سیاہ وخوف ناک تھا۔

حضرت شاہ صاحب نے ایسے دنیا دار صوفیوں کے مزعومات کے خلاف جم کر لکھا، اُنھوں نے شرعی نصوص کی روشنی میں احسان وسلوک کی تعریف وحقیقت اور اس کے صحیح مصداق کی تعیین کی اور اُن تمام اعمال، رواجوں اور رسم ہائے بد کی دھجیاں بکھیر دیں، جنھیں جاہل ونادان مسلمان ضروریاتِ دین یا کارِ ثواب سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ پھر انھیں دین کی حقیقت سے روشناس کرایا، ان اعمال کی نشان دہی کی، جن کی ادائیگی مشروع ہے اور جن کے کرنے پر واقعتاً ثواب مرتب ہوتا ہے۔

قرآن، حدیث اور عقیدہ وعمل کے تعلق سے حضرت شاہ صاحب کے یہ نمایاں ترین کارنامے ہیں اور ان کو آپ کے تمام ترفتوحات کی ایک جھلک کہا جا سکتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں میں علمی انقلاب، فکری وعملی بیداری اور اصلاح کی تحریک اٹھانے میں مجدد الفِ ثانیؒ کے بعد شاہ صاحب کا رول غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے، پھر شاہ صاحب کی اِس تحریک کو ان کے خانوادے کے مایہ نازسپوتوں نے آگے بڑھایا اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے برصغیر کے مسلمانوں پر اتنے احسانات کیے ہیں کہ سارا برصغیر رہتی دنیا تک ان کا قرض نہیں چکا سکتا۔

❍❖❍

علم تجوید کی ضرورت واہمیت!

ڈاکٹر محمد ناصر، شعبۂ سنی، دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

قرآن مقدس کی زبان عربی ہے اور عربی زبان انتہائی لطیف و نازک ہے، اس زبان کی نازک مزاجی کا اثر حروف قرانیہ پر پڑنا ضروری تھا، اس لیے حروف ہجا کے تلفظ کو بھی آزاد نہیں چھوڑا گیا، یہ کیسے ممکن ہوتا کیونکہ قرآن حکیم ذات باری تعالی کا کلام ہے، اس کی صفت ہے، اس کیلئے از حد ضروری تھا کہ کچھ قوانین و قواعد متعین کیے جائیں جن کی روشنی میں کلام الٰہی کو اسی انداز سے پڑھا جائے جس طرح آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے، چنانچہ ائمہ قراءت نے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیا، کچھ قوانین وقواعد اور ہر حرف کا مخرج وصفات بیان کیں، جن کی رعایت کر کے آج ہم قرآن کریم کو صحیح پڑھکر اپنے کو ثواب کا مستحق بنا سکتے ہیں۔

قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں آئی ہے اور نہ کبھی آ سکتی ہے کیونکہ اس کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ اور یہ مقدس کتاب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر محمد ﷺ پر نازل کی۔ قرآن کریم اپنے ابتدائی دور سے ہی انسان کو جہالت کی تاریکی سے نکالنا چاہتا ہے اس لیے جہاں اللہ رب العزت نے اپنے نبی کی صفات کو بیان کیا وہاں ان کا خصوصی وصف تعلیم بھی شمار کرایا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: **لقد من الله علىٰ المؤمنين از بعث فيهم رسولاً من انفسهم يتلوا عليهم اٰياتيه و يز كيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة.** (آل عمران:۶۴) اور ایک حدیث میں قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے والے کو سب سے بہترین شخص قرار دیا ہے۔ فرمان رسالت ﷺ ہے: **خيركم من تعلم القرآن و علمة**'' (بخاری شریف:۷۵۲/۲)

قرآن کریم کو عمدہ آواز میں تلاوت کرنے کی ترغیب:

عمدہ آواز یعنی خوش الحانی عطیہ خداوندی ہے جو ہر کسی کو میسر نہیں ہے، لیکن تلاوت تو ہر ایک کو کرنی ہے۔ خوش الحانی کے جو فضائل احادیث مبارکہ میں بیان کیے گئے ہیں وہ ان اشخاص کیلئے ہیں کہ جن کو اللہ رب العزت نے اس دولت سے نوازا ہے، وہ باری تعالی کی عطا کی ہوئی اس نعمت کی قدر اس انداز میں کریں کہ اس کے کلام کو خوش الحانی سے پڑھیں تا کہ اس کی رحمت متوجہ ہو جو بندہ کا مقصود ومطلوب ہے۔ اس خوش الحانی سے تلاوت کرنے کی فضیلت احادیث رسول میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ قرآن پڑھ کر سناؤ! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ ﷺ کو قرآن سناؤں؟ آپ ﷺ پر تو قرآن اُترتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے دوسروں سے سننا اچھا لگتا ہے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سورہ نساء سنانی شروع کی اور جب میں اس آیت: ''فکیف اذا جئنا من کل امة بشهيد الخ'' پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بس! تب میں نے آپ ﷺ کی جانب دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ (مسلم: ۱/۲۷۰، بخاری: ۲/۷۵۴)

دوسری روایت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''اے ابوموسیٰ! تجھے آلِ داؤد کے لحن کا ایک حصہ عطا ہوا ہے'' (مسلم: ۱/۲۶۸) ایسے ہی ایک روایت میں ہے کہ حسن بخشو قرآن کو اپنی آواز کے ذریعہ اس لیے کہ اچھی آواز قرآن کے حسن کو بڑھائے گی۔ ''حسنو القرآن با صواتکم فا ن الصوت الحسن یزید القرآن حسنا'' (مشکوۃ: ۱۹۱)

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ کی قراءت کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر قرآن کریم کو پڑھتے تھے۔ ''کانت مدا مدا'' (بخاری: ۱/۷۵۴، مشکوۃ: ۱۹۰)

سرکار دو عالم ﷺ خود بھی عمدہ آواز میں تلاوت کرتے تھے، نماز میں ہوتے تب بھی جیسا کہ براء ابن عازب رضی اللہ عنہ روایت بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورہ ''والتین'' پڑھتے ہوئے سنا تو میں اس وقت کی کیفیت کو بتا نہیں سکتا، حقیقت یہ ہے کہ میں نے ایسی اچھی آواز کبھی سنی ہی نہیں تھیں۔ (مسند احمد حدیث نمبر ۱۸۵۶۶) اور نماز کے علاوہ میں بھی آپ ﷺ قرآن کریم کو انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ پڑھتے تھے، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کسی آواز کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا نبی کی خوش الحانی اور بلند آواز سے قرآن پڑھنے پر متوجہ ہوتا ہے'' (مسلم: ۱/۲۶۸)

عہدِ صحابہ میں علم تجوید:

قرآن کریم کے اولین مخاطب چونکہ اہل زبان تھے جس کی وجہ سے ان کو اس کے حق کے ساتھ پڑھنے میں کسی تکلف کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی، لیکن جب اسلام عجم کی جانب بڑھتا ہے اس وقت دشواری پیش آتی ہے کیونکہ اب جو لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے ان کی عربی زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر شدت سے اس ضرورت کو محسوس کیا گیا کہ کچھ قواعد و قوانین ہوں جنکی رعایت سے قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت عجمی طرزِ ادا سے بچ جائے۔ چنانچہ ماہرین فن اور ائمہ لغات نے اس کو اپنا فرض سمجھ کر اس امر کا آغاز کیا، جس سے مجودین کا ایک بڑا طبقہ وجود میں آ گیا، جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

علم فن تجوید کی شروعات نبی ﷺ کے عہد ہی سے ہوجاتی ہے، بلکہ یہ کہنا بھی بجا ہے کہ یہ علم قرآن کریم کے ساتھ ہی آیا ہے جیسا کہ آیت میں باری تعالی ارشادفرماتے ہیں: ''ورتلناہ ترتیلا ''(الفرقان:۳۲) اور یہ بھی ہدایت دی'' ورتل القرآن ترتیلا ''(المزمل:۴) یعنی جس طرح نازل ہوا ہے اسی طرح تلاوت بھی کرنی جیسا کہ حدیث نبوی میں وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا: ''ان اللّٰہ یحب ان یقراء القرآن کما انزل ''(اعلاء السنن:۱۶۵/۴) بے شک اللہ رب العزت پسند کرتے ہیں کہ قرآن کو ایسے پڑھا جائے جیسے وہ نازل ہوا ہے۔اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب تجوید کے قواعد کی رعایت کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھا جائے۔اور تجوید نام ہے اس علم کا جس کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حروف کے مخارج اور ان کی صفات کی جہت سے کس طرح قرآن کریم کی تلاوت کو حسین بنایا جائے اور وصل و وقف، مد وقصر، اظہار، اخفاء، امالہ، تفخیم، ترقیق، تشدید وتخفیف، قلب اور تسہیل کے لحاظ سے حروف کا حق ادا کرتے ہوئے کس طرح اس نظم مبین کی تلاوت میں حسن وسرور پیدا کیا جائے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک معتد بہ تعداد بطور خاص خلفائے راشدین، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سید القراء حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے علم تجوید کو بھی براہ راست نبی کریم ﷺ سے حاصل کیا اور پھر اسی انداز میں تابعین تک پہنچایا بغیر کسی حذف واضافہ کے۔احتیاط کا عالم یہ تھا کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی غلطی پر بھی متنبہ فرمادیتے تھے، مثلاً جب ایک شخص عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم سیکھ رہا تھا تو اس نے ایک مد والے لفظ بغیر مد کے پڑھا، بظاہر یہ بہت معمولی غلطی تھی جس سے معانی میں بھی کوئی فرق نہیں آرہا تھا، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی برداشت نہ کیا اور فرمایا: کہ مجھے حضور ﷺ نے ایسے نہیں پڑھایا ہے۔اس شخص نے سوال کیا: کہ آپ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے کیسے پڑھایا ہے؟ تب آپ رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کو مد کے ساتھ پڑھا۔(سلسلۃ احادیث الصحیحہ)

اس طرح کی ایک دو نہیں سیکڑوں مثالیں ذخیرۂ تفسیر وحدیث میں موجود ہیں۔نیز قرآن کریم کی عظمت، اس کا ادب واحترام اسی امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اسکی تلاوت کے وقت ذات باری کی عظمت شان پر نظر رہے اور اپنی جانب سے انسان اس امر کی پوری کوشش کرے کہ اس کا ہر ہر حرف اپنے مخارج وصفات کے ساتھ ادا ہو۔اس سے جہاں تلاوت میں حلاوت نصیب ہوگی وہیں یہ تلاوت باری تعالی کی رحمت کے نزول اور رفع درجات کا سبب بنے گی۔

قرآن کریم کی تلاوت کیسے کی جائے؟

جب یہی سوال حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کیسے تلاوت کرتے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ آپ ﷺ خوب مد کرکے پڑھتے تھے، پھر سورہ فاتحہ مع تسمیہ پڑھ کرسنائی جس میں ہر آیت پر وقف کیا اور ہر حروف مدہ پر مکمل مد کیا۔ایسے ہی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے جس سے مختصر آیت بھی طویل معلوم ہوتی تھی۔اسی طرح وہ مشہور روایت بھی قرآن کریم کے طریقۂ تلاوت پر واضح دال ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم کے قاری سے بروز قیامت کہا جائیگا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ! جیسے دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا، تیرا درجہ وہی ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہو۔(سلسلة احاديث الصحيحه)

ترتیل سے قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہی وہ اَدا اور وہ طریقہ ہے جس کی تعلیم اللہ رب العزت نے خود دی ہے، فرمان باری تعالی ہے:''ورتل القرآن ترتيلا''روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ترتیل کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھتے تھے، آیت وقف پر وقف فرماتے، کبھی ایک ہی آیت کو بار بار دہراتے، جب آیت قہر آتی تو اللہ کے غضب سے پناہ مانگتے، آیت رحمت ہوتی تو شکر ادا کرتے، سجدہ والی آیت ہوتی تو امتثال امر میں فوراً سجدہ میں چلے جاتے۔تلاوت قرآن کا یہی طریقہ نبی علیہ السلام سے منقول ہے۔

فن تجوید کا کمال یہ ہے کہ یہ تعجیل اور ٹھہراؤ کو ایک معتدل موقف پر لے آتا ہے، جو طرفین کو درمیانی راستہ اختیار کرنے میں مدد دیتا ہے نیز مختلف طریقوں سے بولی جانیوالی وہ ترکیبیں جو کسی قاعدہ اور قانون سے بے نیاز ہوتی ہیں، ان کیلئے یہ علم، الفاظ کی ہیئت اور کلمات کا احاطہ کرنے والے حروف کے تابع رہتے ہوئے، بولنے اور اداء کرنے کی حد تک ایک قانون اور میزان کا کام دیتا ہے۔اور یہی کیا قرآن کریم کے ان قراء نے جو مختلف جگہوں سے تعلق رکھنے کے باوجود کچھ ایسے معیاروں پر متفق ہو گئے جن کو ان حضرات نے صرف عرب کی زبان کو سن کر پہچانا، سمجھا اور اخذ کیا، پھر اسے قاعدے اور قانون کی شکل دیدی جس پر قرآن کا تلاوت کرنے والا اپنی تلاوت میں چلتا ہے، ان قواعد کی رعایت سے جہاں انسان میں فصاحت کا ذوق اور حسن بیان کا سلیقہ آجاتا ہے وہیں روحانی لطف وسرور حاصل ہوتا ہے اور الفاظ کے نطق وادا میں سہولت حاصل ہوجاتی ہے۔

❍❖❍

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات
ایک زبردست اصلاحی کارنامہ

عارف عزیز (بھوپال)

اسلام اور اُس کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی دینِ متین یا اُمتِ مسلمہ آزمائش وابتلا سے دوچار ہوئے تو علماءِ حق نے جان کی بازی لگا کر اِس کا مقابلہ کیا اور حق وصداقت کے پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ حالانکہ اُنہیں شدید آزمائش سے گزر کر قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں، لیکن طبقہ علماء نے کسی صورت شعائر اسلام پر آنچ نہیں آنے دی، فتنۂ خلقِ قرآن ہو یا تاتاریوں کا سیل بے پناہ امامِ ربانی احمد بن حنبل اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ جیسے مجتہد العصر اِس کے خلاف سینہ سپر ہو کر اُمت کو سُرخرو کر گئے۔ اِسی طرح ہندوستان میں عہدِ اکبری، ''دینِ الٰہی'' کے فتنہ کا شکار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے امام ربّانی شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کو پیدا فرمایا اور انہوں نے جاہل بادشاہ کی گمراہی کے خلاف زبانی وقلمی جہاد برپا کیا۔ اِسی لئے حضرت شیخ سرہندیؒ کا مقام ومرتبہ مسلمانانِ ہند کی مذہبی وثقافتی تاریخ میں نہایت اہمیت کا حامل ہے، خاص طور پر سولہویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی نہایت اہم ہستیوں میں آپؒ کا شمار ہوتا ہے، حضرتؒ کا شجرہ نسب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپؒ کی عمر کا ابتدائی حصہ جلال الدین اکبر کے عہد سلطانی میں گزرا جو اسلامی اقتدار کے لحاظ سے نہایت ہی نازک عہد تھا، ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالی اِس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ اُن کے ایمان اور اعمال سب ملحدانہ عقائد کے زیر اثر آ گئے تھے، علماءِ حق کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے کیلئے ملا مبارک ناگوری اور اُن کے دونوں بیٹے ابوالفضل اور فیضی نے شہنشاہ اکبر کی ذہن سازی کر کے اُسے باور کرا دیا تھا کہ ہر ہزار سال میں ایک نئے دین کی دنیا کو ضرورت پیش آتی ہے؛ لہٰذا اکبر نے ''دین الٰہی'' کے نام سے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھ دی جس کے تحت درباری علماء نے مذہبی فیصلوں کا اختیار بھی اکبر کو دے دیا اور دیگر ہندوستانی مذاہب ہندو، جینی، بودھ وغیرہ کے نمائندوں نے تو بادشاہ کو ''جگت گرو'' کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔

اکبر کے اِس دین الٰہی کو استحکام ملا تو اُس کے حواریوں نے پہلا کام یہ کیا کہ علماءِ حق کو نشانہ بنانا شروع کر دیا، اُس وقت مجاہد علماء کی دو قسمیں تھیں، اول وہ جو علانیہ اکبر کے عقائد کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے،

دوم وہ جوتلوار کے بجائے فکری انقلاب لانا چاہتے تھے، لہٰذا اکبر کے مذہبی افکار کی مخالفت کرنے والے بیشتر علماء کو ملک بدر یا تہہ تیغ کر دیا گیا، اس نازک صورتِ حال میں جب اکبر کی بد دینی کے خلاف کلمہ حق کہنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ نہ تو گوشہ نشیں ہوئے، نہ حالات سے چشم پوشی اختیار کی، بلکہ ایک ایسے جہاد کا آغاز کیا جو بغیر قتل و غارتگری کے روحانی و مذہبی انقلاب کا پیش خیمہ بنا۔ انہوں نے تنِ تنہا جتنی ہمہ گیر جد وجہد کی، اُس کا عکس اُن مکاتیب میں ملتا ہے جو حضرتؒ نے مقربانِ سلطانی کو وقتاً فوقتاً سپردِ قلم فرمائے، اِن مکاتیب میں صرف بادشاہ تک کلمہ حق پہنچانے اور اُس کو راہِ راست پر لانے کی طرف ترغیب نہیں دلائی گئی بلکہ نہایت دلنشیں پیرایہ میں اُن مسائل کی وضاحت بھی کی گئی جو معاشرہ کے بگاڑ، بالخصوص کفر و الحاد پھیلنے کا باعث بن رہے تھے، اور تعلیماتِ اسلام کی تائید وتوضیح اِس خوبی سے کی گئی کہ ہر صاحبِ فہم وفراست اِس کی طرف مائل ہوگیا۔

حضرتؒ نے اپنے مکتوبات کے ذریعہ امراء اور اعیانِ سلطنت کو دشمنانِ اسلام کے طور وطریقوں سے آگاہ کیا، روز افزوں فکری انحراف اور دینی اضمحلال کے نتائج پر روشنی ڈالی، نیز جہاں موقع ملا، وہاں براہِ راست گفتگو اور خطاب کے وسیلہ کو بھی اپنایا۔ اِس سے دو فائدے ہوئے ایک تو مذکورہ مکتوبات کے ذریعہ امراء تک آپ کے اصلاحی نظریات کی رسائی ہوئی، دوسرے اقتدار پر فائز لوگوں سے براہِ راست تصادم کی نوبت نہیں آئی، حضرتؒ کو یہ بھی اندازہ تھا کہ اقتدار پر قابض افراد یا گروہوں کی جگہ لینے والے دوسرے اہل لوگوں کا معاشرہ میں فقدان ہے، لہٰذا جو موجود ہیں اُن کی اصلاح کو ترجیح دینا چاہئے۔ اِس طرزِ تخاطب کا اثر اُن لوگوں نے قبول کیا جن کے دل میں ذرہٗ خیر موجود تھا، وہ داعی کے اخلاص اور بے لوثی سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے جو اثرات آج تک ہندوستان میں نظر آتے ہیں، اُن میں اہم کردار اُن مکتوبات کا ہے، جن کے ذریعہ حضرتؒ نے دلوں میں ایمانی حرارت پیدا کر دی اور عیش وعشرت سے بااثر طبقہ کو بیدار کیا، یہ مکتوب اُس وقت کی رائج سرکاری زبان فارسی میں ہیں، جن سے معاشرہ میں عام طور پر اور مسلمانوں میں خاص طور پر نشاۃِ ثانیہ کا عمل شروع ہوا، مذکورہ مکتوبات کا اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے، جن میں سماجی ہر بگاڑ اور زندگی کے ہر پہلو پر بے لاگ گفتگو ملتی ہے، حضرتؒ نے دعوت کا جو دلنشیں طریقہ اپنایا ہے،

وہ براہِ راست دلوں پر دستک دیتا ہے، اِن میں سے بعض خطوط میں اصلاح کیلئے طنز کا پیرایہ بھی اختیار کیا گیا ہے، ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''ایک عزیز نے شیطان کو دیکھا کہ وہ مطمئن بیٹھا ہے، اُس نے حیرت سے شیطان سے سوال کیا کہ تمہارے اطمینان کی وجہ کیا ہے؟ شیطان کا جواب تھا اس وقت علماءِ سوء میری مدد کر رہے ہیں اور اُنہوں نے مجھے اپنے اصل کام انسانوں کو گمراہ کرنے کے عمل سے بے فکر کر دیا ہے۔''

مکتوبِ مجدّدی میں ہمت و حوصلہ سے بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کی جہاں تلقین ملتی ہے، وہیں خود اعتمادی اور ناگفتہ بہ صورتِ حال کو بدلنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے، خانِ اعظم کے نام ایک خط میں وہ لکھتے ہیں:

''آج وہ زمانہ ہے کہ تھوڑا سا عمل بہت بڑے ثواب کا باعث ہوسکتا ہے، اصحابِ کہف ہجرت کے علاوہ کوئی اور عمل ظاہر نہیں کر سکے۔ لیکن اُن کو اللہ تعالیٰ نے بلند ترین مدارج عطا فرمائے۔ دشمن کے غلبہ کے بعد اگر فوجی کے سپاہی تھوڑی بھی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اُن کا درجہ بہت بلند ہو جاتا ہے۔''

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا طریقۂ دعوت و اصلاح نہایت منفرد تھا، جس کے دور رَس اثرات برصغیر کی سیاسی صورتِ حال پر مرتب ہوئے اور عامۃ المسلمین نے بھی اِس کا گہرا اثر قبول کیا۔ بالخصوص جمہور علماء اور صوفیاء کی فکر و نظر میں اصلاح ہوئی۔ عہدِ اکبری کی بد دینی کے خلاف ایک ایسا ردّ عمل شروع ہوا جس نے بتدریج طاقتور تحریک بن کر عہدِ جہانگیری اور عہدِ شاہجہانی پر گہرے اثرات مرتب کئے اور اُس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اورنگ زیب عالم گیرؒ جیسے مصلح و متقی حاکم کو پیدا کیا، جنہوں نے بادشاہی میں درویشی اختیار کی اور ذاتی زندگی میں سادگی کو شعار بنایا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا زبردست کارنامہ خواص کے ذریعہ اکبری الحاد و بد دینی کے خلاف رائے عامہ تیار کرنا تھا، کیونکہ اسلام سے انحراف کی جس روش نے اکبر کے دینِ الٰہی کی شکل اختیار کی، وہ اگر چہ اُس کے انتقال پر ختم ہوگئی لیکن عوامی سطح پر اِس کے دو مظاہرے باقی تھے۔ حضرتؒ نے اِن دونوں امور پر توجہ دی، انہوں نے کفر کی سیاسی شوریدہ سری کا پردہ چاک کیا، اپنے مختلف مکتوبات میں اسلام کی زبوں اور اغیار کی دست درازی پر روشنی ڈالی، بادشاہ کے دربار میں رواج پانے والی بدعات و سیئات کو ہدف بنایا، جہانگیر کے بلانے پر دربار میں حاضر ہوئے لیکن خیر خواہوں کے کہنے کے باوجود بادشاہ کو سجدہ نہ کیا، جس کے نتیجہ میں

حضرتؒ کا قید ہو جانا اور بعد میں رہا ہونا سیاسی لحاظ سے نہایت اہمیت کا حامل اور عظمت اسلام کا باعث بنا بلکہ یہ کہا جائے تو عین حقیقت ہوگی کہ اکبری الحاد کو اُس وقت جو سیاسی پشت پناہی حاصل تھی اُس پر پہلی ضرب کاری لگی، آپ کا عوام میں بیداری کی لہر پیدا کرنے کیلئے ایک اہم اقدام ملک کے مختلف حصوں میں تبلیغی وفود کی روانگی بھی تھا، جس کے ذریعہ اسلام کی صحیح تعلیمات لوگوں تک پہنچیں، اتباع سنت کی اہمیت سے عام لوگ آگاہ ہوئے، نیز شرک و بدعات کے خلاف عام جذبہ پیدا ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اصلاحی و تبلیغی مکتوبات جو آپ نے اپنے عہد کے علماء، مشائخ، امراء اور حکام کو لکھے وہ تین جلدوں پر مشتمل ہیں، اِن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بادشاہِ وقت تک اپنی رُشد و ہدایت پہنچانے کیلئے اِن خطوط کا استعمال کیا، وہ مکتوب جو درباری امراء، افسران، اور فوج کے ذمہ داروں کے نام تحریر کئے گئے اُن میں اصلاح نفس، پابندیٔ شریعت، صحیح عقائد، روحانی مقاصد وغیرہ کے تعلق سے گرانقدر ارشادات و تعلیمات ملتی ہیں، اس طرح حضرتؒ نے دربارِ جہانگیری کے جتنے بھی ممتاز عہدیدار سنّی المذہب حکام تھے سب کو اپنا حلقہ بگوش بنالیا، اِس میں قابلِ ذکر نام خانِ خاناں، خانِ جہاں، خان اعظم، خواجہ جہاں، قلیج خاں اور نواب سید فرید کے علاوہ تقریباً دوسو حضرات کے نام آپ کے ۵۲۶ مکتوب ہیں جو تقریباً بارہ سو صفحات پر محیط ہیں، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دولتِ اکبری و جہانگیری کے سنی العقیدہ ارکان حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تحریک اصلاح کے اعضاد و اراکین بن گئے تھے، یہ ایک مستحکم نظام تھا اور اِس کا سرچشمہ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات تھی۔

سولہویں صدی کا وہ عہد جس میں حضرتؒ پیدا ہوئے ایک لحاظ سے بادشاہوں کا زمانہ تھا، اُس وقت حضرت امام ربانی کسی جمہوری سیاسی تحریک کے ذریعہ اصلاح و تبلیغ کا کام انجام نہیں دے سکتے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے زمانے کے موجودہ اداروں کے ذریعہ بیعت و ارشاد، تعلیم و تربیت اور اصلاح و تجدید کا منفرد کارنامہ انجام دیا، اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ برصغیر کو ایک غیر مسلم ملک بن جانے سے منشائے الٰہی کے مطابق آپ نے حفاظت فرمائی، حضرتؒ کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے کیا ہی سچ کہا ہے ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

قومی یکجہتی وقت کی اہم ضرورت

مفتی ابوذر قاسمی، حراء مسجد نیو عظیم آباد کالونی، پٹنہ

قومی یکجہتی یہ خاص مذہبی اصلاح ہے جس کو الفاظ کے تبدیلی کے ساتھ ہر مذہب کے لوگوں نے استعمال کیا ہے۔اور اس کی تعلیم جملہ تہذیب میں موجود ہے۔اس میں بھائی چارگی ہے،ہم آہنگی ہے،اس ایک طاقت ہے اور رعب و دبدبہ ہے۔یہی نہیں بلکہ قومی یکجہتی ملک کیلئے ریڑھ کی ہڈی ہے۔

بچہ لاشعور ہوتا ہے تو اپنے گھر کے افراد کو پہچانتا ہے جب باشعور ہوتا ہے تو آس پڑوس اور خاندان کے دیگر افراد سے تعارف ہوتا ہے اور جب اس کا شعور بالیدہ ہوتا ہے تو مختلف افراد اور مختلف تہذیب والوں سے دوستانہ تعلق اور ربط پیدا ہو جاتا ہے۔جس کی وجہ سے ملک کے تمام بسنے والے والوں کو ایک برادری محسوس کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ نوع انسان ایک آدم کی اولاد ہیں۔ان کی رگوں میں ایک خون ہے بلکہ تمام انسان ایک اعضاء ہیں، کسی عضو کو تکلیف ہو تو دیگر اعضا بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔جس انسان کے اندر انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں تو انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں۔

جب انسان قومی یکجہتی کو اپنا شیوہ بنالیتا ہے۔دکھ و درد، غم و حزن، خوشی و مسرت میں باہم متحد ہو جاتے ہیں۔چھوت چھات، اونچ نیچ، ذات پات اور دیگر نفرت کی چیزوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک دسترخوان پر بیٹھ جاتے ہیں۔ناچاقی، اور نا اتفاقی کو پس پشت ڈال کر صرف انسانیت کے نام پر جمع ہو جاتے ہیں۔

اس طرح ایک بڑی طاقت بن کر ملک کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرتے ہیں۔قومی یکجہتی کی تعلیم ہر مذہب میں موجود ہے۔چنانچہ ہندوستان جو کئی مذاہب کے مرکز ہیں، مختلف تہذیب اور مختلف ثقافتوں کی آماجگاہ ہے، مذہب میں یکسانیت کا درس ہے۔بودھ مذہب میں میل جول، ہم آہنگی کی خاص تعلیم ہے۔مہاتما بودھ کی پیدائش سے قبل جہالت، انسانیت کی تذلیل، غریبوں اور بے کسوں پر ظلم، حاکموں کی چیرہ دستیاں اور مذہب کے ٹھیکیداروں کی زیادتیاں عام تھی لیکن انہوں نے سیدھا راہ دکھایا، قومی مفاد کی بات کی۔انسان کی عظمت کو بتایا اور ظالموں کا طلسم توڑا، رحم، عفو، غریب پروری اور انسان پرستی کو عام کیا۔گویا قومی یکجہتی، اخلاق و محبت اور انسانیت کی تعلیم دیا۔یہی وجہ ہے کہ قرون وسطیٰ میں ہندوں میں بھی میل جول اور آپسی

ہم آہنگی موجود ہے۔ گوری شنکر نے لکھا ہے برنوں میں دوستانہ تعلق قائم تھے، اکثر آپس میں شادیاں بھی ہوتی تھی۔ چھوت چھات کے نام ونشان نہیں تھے بلکہ ایک برن والے دوسرے برن کے ساتھ قیام وطعام میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے، اور نہ اجتناب کرتے بلکہ اخوت و بھائی چارگی کا رول ادا کرتے۔

اسلام سے قبل کی تاریخ کا جائزہ لیں اور کتابوں کی ورق گردانی کریں جو دردناک، الم ناک، غم ناک اور افسوسناک تھی۔ انسان رہنے کے باوجود انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں۔ اپنے آپ کو متمدن سمجھتے تھے لیکن تمدن سے آراستہ نہیں بلکہ ان کی صلاحیتیں جنگ وجدال میں صرف ہوتی تھیں۔ اسلام نے دینی تعلیم سے اس جاہل قوم کو پھر مذہب بنادیا جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے:

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حفرة من النار فأ نقذكم منها ○

اور تم ہلاکت کے دہانے پر تھے تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔

اس طرح اسلام نے اخوت و بھائی چارگی، الفت ومحبت یکسانیت کی مثال قائم کردی۔ انسان کی عظمت دلوں میں پیوست کردی، قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کی بھی دعوت دی۔ ارشاد خداوانی ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ (الانعام:۱۰۸)

اور دُشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے، ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے، پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے، سو وہ ان کو جتلا دیگا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

خداوند قدوس نے قومی یکجہتی اور مفاد عامہ کے پیش نظر اغیار کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرمادیا تاکہ قومی یکجہتی میں خلفشار وانتشار نہ ہوجائے، افراتفری کا ماحول جنم نہ لے۔ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من الكبائر شتم الرجل والديه قالو: يارسول اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وهل يشتم الرجل والديه، قال: نعم، يسب ابا الرجل فيسب اباه ويسب امه فيسب امه○ (مسلم: ۱/۶۴)

اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیسے ممکن ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس نے کسی کے باپ کو گالی دیا بدلے میں اس نے بھی اس کے باپ کو گالی دیا، اور اس نے کسی کی ماں کو گالی دیا پھر اس نے بھی اس کی ماں کو گالی دیا۔

گویا کہ اس حدیث میں ایک اصول بتلادی کہ ایک دوسرے کی ہجو ومذمت بیان نہ کریں، ذلیل ورسوانہ کریں کہ معاملہ برعکس ہوکر آپسی تنازع کا سبب بن جائے جس سے نظام زندگی اور سکون قلب درہم برہم ہوجائے۔

قومی یکجہتی حصول کیلئے نبی آخرالزماں ﷺ نے مدینہ میں اہل مدینہ کی معیت گفت وشنید اور عہد ومعاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ومعروف ہے کہ مدینہ میں مختلف مذاہب کے لوگ جی رہے تھے۔ جس میں آپسی تنازع کا اندیشہ تھا چنانچہ نبی ﷺ نے سرداران مذاہب کو اکٹھا کر کے اطمینان اور سکون زندگی کی خاطر معاہدہ کی پیش کش کی یعنی ہر فریق اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر دوسرے کے جذبات اور خیالات کا استقبال کریں گے اور ظلم واستبداد، عداوت فسادات کے خلاف ہر مذہب والے اس کا مقابلہ کریں گے۔ تا کہ آپسی میل ومحبت کی فضا قائم رہے۔ اسلام نے انسانی سکون کو دائمی رکھنے کیلئے ایک اصول بتایا:

يَآيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ٥ (المائدہ:۸)

اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ کیلئے پوری پابندی کرنے والے اور شہادت کی نوبت آئے تو انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہوجائے کہ تم عدل نہ کرو، ضرور ہر معاملہ میں عدل کیا کرو۔

گویا کہ اسلام نے اسلام نے باہمی میل ومحبت اور قومی یکجہتی کا پیغام دیا بلاتفریق مذہب ہر ایک کے ساتھ اچھائی وبھلائی خیر خواہی، عدل، انصاف، مساوات اور یکساں کا حکم دیا۔

شیخ سعدیؒ گلستاں میں ایک نظم تحریر فرماتے ہیں جس میں قومی یکجہتی کا پیغام ہے۔

بنی آدم اعضائ بدیگرند ❖ کہ در آفرینش زیک گوہرند
چو عضوی بدرد آورد روزگار ❖ دیگر عضوہا رانماند قرار
تو کز محنت دیگراں بی غمی ❖ نشاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ: بنی آدم ایک عضو کے مانند ہے۔ اس کی پیدائش ایک گوہر ایک مٹی سے ہے۔ چونکہ کوئی ایک عضو تکلیف سے دوچار ہوتی ہے تو دوسرے تمام اعضا اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی انسان کسی کے تکلیف سے بے چین نہیں ہوتا تو انسان کہلانے کے لائق نہیں۔

ملک کی ترقی کا دارو مدار قومی یکجہتی اور اعتدال میں ہے۔ مساوات اور انصاف ملک کیلئے خوشحالی کی

علامت ہے۔وطن عزیز کو آزاد کرانے میں ہمارے آبا واجداد نے قومی یکجہتی کا مظاہرہ کیا مذہب وملت کا فرق مٹا کر ملک کے ہر باشندہ کے ساتھ میل محبت کے ساتھ رہنے کا پیغام دیا اور ہر ایک نے مل کر انگریز کے چنگل سے ملک کو آزاد کرایا اور یہی سلسلہ چلتا رہا نہ ہندو نہ مسلمان، نہ سکھ نہ عیسائی بس ہر ایک کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا: ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی ❖ آپس میں ہیں بھائی بھائی

یہی قومیت ہے جو تمام رشتوں سے بلند اور بہتر ہے یہی زندہ قوم کی علامت ہے۔اور ملک کی طاقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر علامہ اقبال نے اپنے ترانہ ''مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا'' میں قومیت اور ہم آہنگی کا پیغام دیا، سارے مذاہب کی ترجمانی کی کہ ہر ایک مذہب نے اتحاد واتفاق قومی یکجہتی کی دعوت دی ہے۔ دوسرا مصرع ''ہندی ہے ہم وطن ہیں ہندستاں ہمارا ہمارا'' میں یہ بتلایا ہے کہ ہم قومی یکجہتی کے پاسباں ہیں، گنگا جمنی تہذیب کے محافظ ہیں، یہاں کے ذرہ ذرہ سے محبت ہے۔

لیکن چند برسوں سے ملک کی فرقہ پرستی پروان چڑھ رہی ہے اور پورا ملک عدم رواداری اور بے اطمینانی سے دوچار ہیں۔ جان ومال عزوت وآبرو غیر محفوظ ہے۔حالانکہ سب سمجھتے ہیں کہ کسی ایک فرقہ کی ترقی سے ترقی یافتہ ملک کی فہرست میں نام درج نہیں ہوتا۔ جب تک کہ ہر ہندوستانی کے ساتھ یکساں برتاؤ نہ کیا جائے۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی سر سید احمد خان نے ہندو مسلم اتحاد پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ''ہم ہندو مسلمان ایک ہی جیسا کھاتے ہیں، ہندوستان میں بہنے والی ندیوں کا ہی پانی پیتے ہیں، اور ایک ہی جیسی ہوا سے سانس لیتے ہیں، ہندو اور مسلمان ایک خوبصوت دلہن کی دو آنکھیں ہیں جس کو ہم ہندوستان کہتے ہیں اور کسی ایک آنکھ میں بھی کمزوری اس دلہن کی خوبصورتی کو خراب کردے گی''۔

ملک کی ترقی، خوشحالی قومی یکجہتی و بھائی چارگی میں پنہاں ہے۔دشمن ملک کیلئے آہنی دیوار ہے، ایک طاقت ہے، سکون ہے اور اگر معاشرہ، سماج سے ہم آہنگی قومی یکجہتی ناپید ہوا تو دشمن کے مقابلہ میں خفت ہیں۔ مضطرب و بے چین ہیں تو دشمن ملک اور پرقہ پرستی کی دیوار کو منہدم کر کے قومی یکجہتی و بھائی چارگی کا ثبوت دیں اور باہمی تعاون کریں۔

○❖○

دلت مسلم قیادت اور عوام میں انقلابی تبدیلی کی ضرورت

عبدالحمید نعمانی

کوئی کچھ بھی کرلے، مسلم اور دلت، آدی واسی، ہندستانی سیاست اور سماج میں قابل ذکر وجود رہیں گے، گرچہ کوشش کی جارہی ہے کہ کم ازکم مسلمانوں کا رول جمہوری نظام میں بالکل ختم اور غیر مؤثر ہوکر رہ جائے، وشو ہندو پریشد کے آں جہانی اشوک سنگھل اور شیو سینا کے بال ٹھاکرے وغیرہ تو کھلے عام اس کا اظہار کرکے اس دنیا سے چلے گئے، آئین ہند اور جمہوری نظام و قانون جاری رہتے ہوئے عملا ایسا ممکن نہیں ہوگا، مسلمانوں کا معاملہ تھوڑا مختلف ہے، لیکن دلتوں اور آدی واسیوں کی حالت اور آبادی کے مدنظر انتخابی نظام اور سماجی سرگرمیوں کو ختم کردینا آسان نہیں ہوگا، اسی لیے اکثریتی سماج کی طرف سے مختلف طریقوں سے اپنے ساتھ لانے اور رکھنے کا سلسلہ گذشتہ 80، 90 برسوں سے جاری ہے، اس کا کسی نہ کسی درجہ میں دلتوں کو اقتصادی مادی فوائد بھی ملے ہیں، البتہ سماجی وتہذیبی سطح پر کوئی زیادہ بہتر تبدیلی پیدا نہیں ہوسکی ہے، اس کی ایسی بہت سی وجوہ ہیں، جن کا سنجیدہ مطالعہ اور تجزیہ کرکے حقائق کو تسلیم کرنا، کرانا اور انصاف و مساوات کی فراہمی کا رستہ ہموار کرنا پڑے گا، ریزرویشن اس سمت میں ایک بڑا اقدم ہے، لیکن اس کے دائرے کو کتنا وسیع کیا جاسکتا ہے؟ دوسرے طبقات اور مذہبی اکائیوں کی مختلف برادریوں کو بھی کئی طرح کے مسائل و مشکلات کا سامنا ہے، ان کا تعلق اصلا اقتصادی مسئلے سے ہے، جب کہ دلتوں، آدی واسیوں کے ساتھ، کچھ محنت کش مسلم برادریوں کا معاملہ، اقتصادی کے ساتھ ساتھ سماجی وتہذیبی وقار وترقی سے بھی جڑا ہوا ہے، اس سلسلے کو جبتک دلت اور مسلم قیادت سمجھ کر حکمت عملی نہیں بنائے گی، اور اس کے مطابق ضروری اقدامات نہیں کیے جائیں گے، تب تک نہ تو صحیح اثرات ونتائج سامنے آئیں گے اور نہ ہی بہتر تبدیلیوں کی توقع کی جاسکتی ہے، اس سلسلے میں دلتوں اور آدی واسیوں کو اکثریتی سماج کی طرف سے مختلف قسم کی مزاحمتوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، مسلم سماج کی طرف سے امکان کے درجے میں کسی طرح کی مزاحمت کا سرے سے تصور ہی نہیں ہے، مگر ان کو عام طور پر فرقہ وارانہ فسادات اور دیگر مواقع پر مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا ہے، گجرات فساد میں دلتوں آدی واسیوں کو استعمال کیا گیا تھا، گزشتہ کچھ سال پہلے دہلی کے فساد میں بھی ایسا ہوا تھا، اس تعلق سے یہ بات خوش آئند ہے کہ دلتوں، آدی واسیوں کی ایک بڑی تعداد اب یہ دیکھنے لگی ہے کہ ہمیں غلط طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔

آئندہ ہمیں استعمال نہیں ہونا ہے، اگر دلت مسلم لیڈر سنجیدگی سے اس سمت میں پیش قدمی کریں گے تو اس میں مزید بہتری آسکتی ہے، بنیادی ذمہ داری مسلم قیادت کی ہے کہ وہ مؤثر مذہبی نظریات پر مبنی اخلاقی اور سماجی نظام کا بہتر مثالی نمونوں کے ساتھ پس ماندہ سماج میں کام کرکے حالات کو بہتر بنائے، ایسا کرنا، سیاسی سے زیادہ، تہذیبی و سماجی اقدار پر مبنی و منحصر ہے، لیکن اب تک سیاسی حصہ داری کے تناظر میں زیادہ تر جدو جہد کی جاتی رہی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اپنی حصہ داری اور نمائندگی کے لیے، مؤثر ترین راستہ سیاست کا ہے، تاہم اس میں پائداری زیادہ نہیں ہے، اس کے لیے لازماً مذہبی و اخلاقی اقدار کے پیش نظر تہذیبی و سماجی بنیادوں پر زیادہ توجہ مبذول کرنی ہوگی، اس پہلو پر چاہے، بابا جیوتی با پھولے ہوں یا بابا صاحب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر اور پیری یار وغیرھم نے بھی پوری توجہ دی ہے، بعد کے دلت لیڈروں بابو جگ جیون رام، کرپوری ٹھاکر، کانشی رام، مایاوتی، جیتن رام مانجھی، رام ولاس پاسوان، ادت راج ہوں یا پھر رام اٹھاولے وغیرہم نے سیاسی ذرائع کو یقیناً اختیار کیا ہے، لیکن سب کی جدو جہد میں مذہبی وروایتی بنیاد پیش نظر ضرور رہی ہے، رام اٹھاولے کی طرف سے مایاوتی کے سامنے بدھ مت کو قبول کرنے کی تجویز اور مایاوتی کی طرف سے اسے قبول کرنے کی یقین دہانی اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ جڑ میں اصل کون سی باتیں ہیں، لیکن ان کو طاقتور زبان ابھی تک نہیں ملی ہے، مسلم سماج اور اس کی قیادت اس سلسلے میں ایک اہم رول ادا کرسکتی ہے، یہ صحیح ہے کہ ایسا ایک حد تک ہی ہوگا، ہندستانی سماج کی تشکیل ایک ایسے نہج پر ہوئی ہے کہ اس میں مذہبی روایتی بنیاد پر قائم نظام جات پات سے پرے جاکر، مساوی ومنصفانہ جگہ ملنا آسان نہیں ہے، ریزرویشن کی گنجائش اور کمزور طبقات ودرجات والوں کے لیے ایک انتخابی حلقے کا مطالبہ اپنے لیے جگہ نکالنے کی کوششوں کا ہی حصہ ہے، یہ واقف حال اور سیاسی تاریخ کے طالب علموں سے یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ ۱۹۱۹ میں ہندستانی سرکاری ایکٹ تیار کرنے والی بورڈ و کمیٹی کے سامنے گواہی دینے کے لیے جب ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر بلایا گیا تھا تو انھوں نے سماعت کے دوران دلتوں اور دیگر مذہبی اکائیوں کے لیے الگ انتخابی حلقہ جات اور ریزرویشن کا مطالبہ کیا تھا، اس پر سخت ردعمل کے ساتھ ان کی بڑی مذمت کرتے ہوئے الزام لگایا گیا تھا کہ وہ ہندستانی قومیت اور اتحاد کو ختم کردینا چاہتے ہیں، بعد کے دنوں میں یہ ثابت ہوگیا کہ ڈاکٹر امبیڈکر اپنے مطالبات کے ذریعے دلتوں وغیرہ کے لیے سماج میں جگہ بنانے کے ساتھ، اکثریتی سماج کے جات پات

کے نظام میں بڑی تبدیلی اور اس کے لیے ان لوگوں میں سنجیدگی پیدا کرنا چاہتے ہیں، جو اس میں پلے بڑھے ہیں، اس سلسلے میں یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ بابا صاحب اپنے مقاصد میں بہت حد تک کامیاب رہے، یہ ہندستان جیسے ملک میں بڑا انقلاب تھا، جس نے دلتوں، آدی واسیوں اور دیگر کمزور طبقات کے لیے آگے کا راستہ کھولنے کا کام کیا، اگر پسماندہ درجات وطبقات کے لیڈر مقاصد واغراض کو شخصی برتری پر ترجیح دیتے ہوئے اپنی جدوجہد جاری رکھتے، تو اب تک حالات کچھ بدل چکے ہوتے۔ یہ اہم ہے کہ پسماندہ طبقات و درجات کے ترقی یافتہ گھرانوں اور لیڈروں نے انصاف ومساوات کے مخالف نظام میں بہتر تبدیلی پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے، حاصل شخصی خاندانی برتری کو قائم رکھنے اور مزید اضافہ واستحکام میں لگا دیا، جس کی وجہ سے پارٹیوں میں تقسیم در تقسیم کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور اشرافی واقتداری طبقے اور ماضی کے جاری نظام کی حامی پارٹیوں کو اپنی گرفت از سر مضبوط کرنے کے سنہری مواقع مل گئے، یوپی، بہار جیسے صوبوں میں نتیش کمار اور مایاوتی وغیرھم نے اپنے گھر خاندان کے افراد کو سیاست سے دور رکھنے کی کوشش ضرور کی، لیکن لالو، ملائم، پاسوان وغیرھم ایسا نہیں کر سکے، جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں، یقینی طور پر اس میں عام رائے دہندگان میں بیداری کی کمی کا دخل ہے کہ وہ بھائی بھتیجا واد اور خاندانی نظام کو فروغ دے کر دیگر بے شمار مستحقین کے لیے ترقی اور آگے بڑھنے کی راہ میں دیواریں کھڑی کرنے میں معاون بن جاتے ہیں، جب تک عام دلت، آدی واسی اور مسلم عوام جمہوری اور انتخابی نظام کے تئیں سمجھ داری اور بیداری کا مظاہرہ کر کے چند گھرانوں اور جاتوں کو فائدہ پہنچانے والے نظام کو توڑ نہیں ڈالیں گے، تب تک بہتر تبدیلی اور ملک کے وسائل حیات میں منصفانہ حصہ داری کی توقع محض خوش فہمی ہوگی، بیداری وسمجھ داری کا آغاز، آنے والے پانچ ریاستوں کے اسمبلی انتخابات سے ہی کر دینا چاہیے، یہ جاننا سمجھنا کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے کہ کون سیاست کے ذریعے عوام کی خدمت وترقی کرنا چاہتے ہیں، اور کون پورے یا بڑی تعداد میں اپنے گھر، خاندان کے افراد کو سیاست میں لا کر شخصی وخاندانی تفوق وبرتری چاہتے ہیں، دوسری شکل میں خاندان سے باہر، انتخابات میں پارٹی کے کامیاب ہونے والے افراد ایسے، کوئی زیادہ مؤثر وکارگر نہیں رہ جاتے ہیں کہ ملک وقوم اور رائے دہندگان کے لیے کوئی قابل ذکر خدمات انجام دے سکیں، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں سیاسی وسماجی لحاظ سے رائے دہندہ عوام میں بڑی ذہنی تبدیلی وتطہیر کی ضرورت ہے، خاص طور سے دلتوں، آدی واسیوں اور مسلم عوام میں۔

جشن جمہوریت یا جمہوریت کا خون

نازش ہما قاسمی

اِس سال 26 جنوری کو پورے ملک میں 68 واں جشن یوم جمہوریہ نہایت ہی تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا اور یہ جشن جمہوریت کیوں نہ منایا جائے کیوں کہ یہی وہ مبارک دن ہے جس میں ہندوستان کے رہنے والوں کیلئے ہندوستان کے ہی افراد کے ذریعہ تیارشدہ آئین ملا۔ایک ایسا آئین اور دستور جو گونا گو خصوصیات کی بنا پر دنیا کا سب سے بہترین جمہوری دستور ہے، جس میں تمام مذاہب اور ہر شہری کے مکمل حقوق کی رعایت کی گئی ہے، جہاں کوئی بھی ذات پات کی بنیاد پر بڑا یا چھوٹا نہیں ہے،ایسا دستور جس نے ہندو قوم میں صدیوں سے رائج چھوت چھات کے سسٹم کو بند کردیا،ایسا دستور جس کیلئے ہم آج بھی فخر محسوس کرتے ہیں، اور دنیا کو فخر سے بتاتے ہیں کہ ہمارے ملک میں تمام لوگوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔اس سال یوم جمہوریہ کے موقع سے صدر جمہوریہ پرنب مکھرجی نے ایک مرتبہ پھراس بات پر زور دیا ہے کہ تمام لوگ ملک میں امن وامان اور شانتی کے ساتھ رہیں۔یوم جمہوریہ کے موقع سے آئے متحدہ عرب امارات کے شہزادہ محمد بن زائد کے ساتھ بھی خوشگوار تعلقات قائم کرنے کی بات ہوئی ہے اور ۱۴ ارنکاتی معاہدہ پر دستخط بھی عمل میں آیا ہے۔

بہر حال دستور اعتبار سے آج بھی ہمارا ملک دنیا کا سب سے زیادہ صاف ستھرے قانون کا حامل ملک گردانا جاتا ہے لیکن افسوس کہ ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' آج ملک میں ہی بسنے والے کچھ افراد ذہنی بیماری میں مبتلا ہوگئے ہیں۔جنہیں ملک کا یہ قانون پسند نہیں ہے جو ملک کے امن وامان کو فتنہ وفساد سے بدلنا چاہتے ہیں،اورگاہے گاہے اس کا نظارہ بھی ملک میں پیش کرتے ہیں۔وہ طبقہ ہٹلر اور مسولینی کے پیروکار بنے بیٹھے ہیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ ملک کی حالت وہی ہوجائے جو ہٹلر کے زمانہ میں جرمنی کی تھی۔یہ فرقہ پرست گنگا جمنی تہذیب دشمن بنے ہوئے ہیں،ان کی ہمہ دم یہ کوشش رہتی ہے کہ کس طرح دیگر اقلیتوں کو نشانہ بنایا جائے، انہیں ستایا جائے،ان کی معیشت برباد کی جائے،ان کے نوجوانوں کا مستقبل تاریک کیا جائے۔

افسوس کہ اب تک یہ سارا کام چھپ کر اور رات کے اندھیرے میں انجام دیا جارہا تھا، لیکن اب یہ کام دن کے اُجالے میں انجام دیئے جارہے ہیں۔اب دلتوں کو مارنے والے، مسلمانوں کو فسادات کی آگ میں جھونکنے والے، ان کے املاک کو تباہ و برباد کرنے والے دیش بھکت بنے بیٹھے ہیں۔میڈیا خاموش، پولس تماشائی بنی بیٹھی اور عدلیہ اپنا راستہ بھٹک رہی ہے۔گاندھی جی کے امن کو ہٹلر کے فساد میں بدلنے کی کوشش جاری ہے، اور یہ سب کچھ اتنے منظّم طریقہ پر انجام دیا جارہا ہے کہ اگر کوئی آواز بھی اٹھائے تو فوراً اس کی آواز دبادی جاتی ہے، میڈیا ایک خاص طبقہ کا ترجمان بن گیا ہے، حتی کہ ہماری فوج بھی اب ان کے کرتوتوں سے ناپاک ہوگئی ہے، سرحد پر رہکر ملک کی حفاظت کرنے والے جوانوں کو درست کھانا میسر نہیں ہے۔

اگر سب کچھ ایسا ہی چلتا رہا تو وہ دن دُور نہیں جب پورا ملک ان فرقہ پرستوں کی زد میں آجائے گا لیکن پھر بھی ہم شان سے کہتے ہیں کہ ''میرا بھارت مہان ہے'' کیونکہ ہمیشہ سے کچھ ایسے لوگ بستے آئے ہیں جو امن وامان کے دشمن ہیں، ہمیں ہمارے ملک اور ملک کے آئین پر مکمل اعتماد ہے، ہم اپنے ان سرفروش اکابرین کی تاریخ کو نہیں بھلا سکتے ہیں جنہوں نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی کے بعد بابا صاحب امبیڈکر کی قیادت میں اس دستور کو مرتب کیا تھا، دستور کے ہر ہر شق پر مکمل بحث ہوئی ہے، تب کہیں جا کر 1950ء میں یہ قانون نافذ ہوا ہے، ہم نے کل بھی اس چمن کی آبیاری کی تھی اور آج بھی ہم اس چمن کے نگہبان ہیں اور آئندہ جب بھی ضرورت پڑے گی ہم ویر عبدالحمید کی شکل میں موجود رہیں گے۔

لیکن اتنا تو ضرور کہیں گے مسند اقتدار پر بیٹھے ہوئے متمکنوں سے کہ تم جمہوریت کا جشن آخر کیوں منا رہے ہو! کیا کشمیر کے رستے لہو جمہوریت پر بدنما داغ نہیں ہے؟ کیا اقلیتی طبقے کے افراد کا قتل جمہوریت کا قتل نہیں ہے؟ کیا نجیب کو غائب کردینا جمہوریت کو غائب کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ کیا جلی کٹو کو احتجاج کے بعد عدلیہ پر فوقیت دینا اور کشمیریوں کے احتجاج کے بعد اسے پیلٹ گن کا نشانہ بنانا دوہرا معیار نہیں ہے؟ کسی نیتا کی بھینس کھو جائے چند دنوں میں مل جاتی ہے، لیکن نجیب دو ماہ سے غائب ہے کیا یہ ماں کے زخم پر نمک چھڑکنا نہیں ہے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ اب تک نجیب نہیں مل سکا؟ جیل تڑوا کر بے گناہوں کو چند منٹوں میں انکاؤنٹر کا نام لے کر موت کی نیند سلانا وہیں اکالی دل کے غنڈوں کو چھڑوا کر اسے باعزت مقام دینا اور موت کی نیند نہ سلانا جیل حکام کی بدنیتی نہیں ہے؟ اور اس جشن جمہوریت کے موقع پر مسلمان محبّ وطن

اپنے مدارس ومکاتب پر جھنڈا الہرا کر ترنگے کی شان دوبالا کرتے ہیں، لیکن وہیں ہندومہاسبھا کے اراکین اس مبارک دن کو سیاہ دن مناتے ہیں اور اس پر کوئی کارروائی نہیں کرتے، کیا یہ گوڈسے کو خراج عقیدت پیش کرنا نہیں ہے؟

منکول نے اس سلسلے میں بڑا ہی چبھتا تبصرہ کیا ہے: ''عجب المیہ ہے کہ وطن پرست لوگ غدار وطن کو حب الوطنی کا ثبوت پیش کررہے ہیں''۔ کیا یہ اُن مجاہدین آزادی کے ساتھ کھلا دھوکہ نہیں ہے جنہوں نے اپنے خون جگر سے اس چمن کو سیراب کیا تھا، اپنی وطن کی آزادی کے خاطر اپنی بیویوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیمی کا دَرد دیا تھا؟ خیر ہمیں کچھ نہیں کہنا۔

بس ہمیں وہ جمہوریت چاہئے جس کا ہمیں آئین نے حق دیا ہے، تبھی حقیقی معنوں میں ہمارا جشن جمہوریت منانا درست ہوگا۔ نہیں تو اسی طرح ملک میں دادری، نجیب، بھوپال انکاؤنٹر ہوتے رہے اور خاطی افراد گنہگار ہونے کے باوجود مجرموں کی فہرست سے دُور رہے، اور بے گناہ جیلوں میں مرتے رہے، جیل کی سلاخوں کے پیچھے جوانی برباد کرتے رہے تو یہ جشن جمہوریت نہیں بلکہ جمہوریت کا خون ہے۔

❍❖❍

<u>بقیہ: سوشل میڈیا... صحیح اور غلط استعمال؟</u>

(۷) نہایت قابل توجہ بات یہ ہے کہ نوجوانوں کو ایسی سائٹوں سے دُور رہنا چاہئے، جن کا تعلق دہشت گردوں جیسے ''داعش'' وغیرہ سے ہے، ان کے قریب بھی جانے سے بچنا چاہئے؛ کیوں کہ یہ چیز غلط راستہ پر لے جاتی ہے، یا کم سے کم شکوک وشبہات کو جنم دیتی ہے؛ اس لئے نوجوانوں کو تہمت کے ان مواقع سے دُور رہنا چاہئے اور کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے، جوان کو غلط راستہ پر ڈال دے، یا ان کے بارے میں شکوک وشبہات کا راستہ کھول دے؛ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کسی بھی قسم کی اقدامی یا جوابی دہشت گردی کو پسند نہیں کرتا؛ کیوں کہ اس میں بے قصور لوگوں کی موت ہوجاتی ہے، اسلام تو امن وانسانیت، عفوودرگذر اور محبت وبھائی چارہ کا پیغامبر ہے نہ کہ نفرت اور ظلم کا سوداگر: میرا پیغام، محبت ہے جہاں تک پہنچے!

❍❖❍

اِس سے پہلے میں تمہارے درمیان ایک عمر گذار چکا ہوں کا نبوی چیلنج

از: ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی

اللہ رب العالمین نے اپنے رسول رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ بنی نوع انسانی کیلئے اپنی ہدایت ورہنمائی ہمیشہ کیلئے ارسال کردی۔ اور یہ بھیجا جانا علمی، عقلی اور کردار ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ جس طرح انسانی زندگی کے اِنفرادی اور اجتماعی ہزاروں پہلو ہیں اسی طرح ہزاروں پہلوؤں سے حضور اکرم ﷺ کی رہنمائی بھی موجود ہے، اور کوئی بھی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ اور حضور اکرم ﷺ کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ اپنی تمام تعلیمات پر سب سے بڑھ کر سب سے پہلے آپ خود عمل کرتے تھے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے خود اس پہلو کو اجاگر کیا ہے: ''تم اِن سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی، اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں'' (یوسف:۱۰۸)

حضور اکرم ﷺ کی زندگی اور کردار کو اللہ پاک نے ایسا بے عیب و مکمل بنایا اور محفوظ فرمایا کہ کردار و سیرت مصطفیٰ ﷺ کو تمام دنیا کے سامنے ایک چیلنج کے طور پر پیش کردیا۔ اور قرآن پاک نے اس چیلنج کو رہتی دنیا تک اِن الفاظ میں تمام مخالفین حق کیلئے عام کردیا:

''کہو اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی تو میں یہ قرآن تمہیں کبھی نہ سناتا اور اللہ تمہیں اُس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر اِس سے پہلے میں تمہارے درمیان ایک عمر گذار چکا ہوں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ پھر اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو ایک جھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے؟ (یونس آیت ۱۷)

خط کشیدہ جملہ میں جو چیلنج دیا گیا ہے وہ آپ ﷺ کے علمی چیلنج کا ایک طرح کا تکملہ ہے۔ ایک طرف تو جگہ جگہ یہ چیلنج اللہ تعالیٰ نے تمام مخالفین حق کو دیا ہے:

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے اسے خود تصنیف کرلیا ہے۔ کہو اگر تم اپنے اِس اِلزام میں سچے ہو تو ایک سورہ اس جیسی تصنیف کرلاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کیلئے بلالو'' (یونس آیت ۳۸)

ایک طرف قرآن کا چیلنج اور دوسری طرف صاحب قرآن کا عمل اور کردار کا چیلنج اور دلیل ان دونوں کے آگے بڑے سے بڑا ''مخلص'' مخالف سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گیا۔

اچھی اچھی اخلاقیات کی باتیں کرنا، اونچی اونچی ڈینگیں ہانکنا، ناممکن قسم کی خوبصورت باتیں بنانا، یہ سب اخلاقیات، دین، روحانیت کے نام پر کرنا بہت آسان ہے، اور یہ سب تاریخ میں ہوتا رہا ہے۔ بڑی خوبصورت اخلاقی باتیں کرنے والے مصلحین، روحانیت کے نام نہاد مبلغین کی ذاتی زندگیاں عموماً عمل اور کردار سے خالی بلکہ اس کی ضد ہوتی ہیں۔ کسی بھی انسان کے قول پر، اس کی دعوت پر سب سے زیادہ مؤثر دلیل اس کا اپنا عمل اور کردار ہوتا ہے، اور اس کے بعد اس کے قریب ترین لوگوں کی گواہی یا اس کے مخالفین کے تاثرات قطعی اور فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ اس معیار پر انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ جو شخصیت پوری اترتی ہے وہ آنحضرت ﷺ کی ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت سے قبل کی زندگی بھی اس حقیقت پر گواہ ہے۔ خارق عادات چمتکار، سعید اور مسحور کن کرتب دکھانا بڑا آسان ہوتا ہے؛ مگر بلند اخلاقی تعلیمات پر خود عمل کرنا سب سے مشکل ہوتا ہے۔ اسی لئے مذکورہ بالا آیات میں آپ ﷺ نے دونوں کسوٹیوں پر عمل کا ثبوت پیش کیا۔

پہلا یہ کہ اپنی دعوت پر سب سے بڑھ کر یقین رکھنے والا میں خود ہوں۔ پھر فرمایا: کہ میں پہلے خود مسلم ہوں۔ دوسری آیت میں عمل اور کردار کے لحاظ سے ثبوت دیا گیا کہ اپنی ماقبل کی چالیس (۴۰) سالہ زندگی میں نے تمہارے درمیان ہی گذاری ہے، کیا میں نے کبھی جھوٹ بولا؟ کبھی قصہ کہانی سنائے؟ اقتدار کی خواہش کی؟

تاریخ کے ذریعہ یہ بات بھی ثابت ہے کہ مخالفین حق کفار ومشرکین مکہ نے اِن دونوں چیلنجوں کا جواب دینے کی بھرپور کوشش کی۔ اجتماعی طور پر نظم کر کے اہل ادب کو مکمل یکسوئی کے ساتھ قرآن کی ایک آیت جیسی آیت لانے کی کوشش کی گئی۔ حضور ﷺ کو نعوذ باللہ مجنون، جادوگر، گھر والوں کو آپس میں لڑانے والا، پرانے رسم ورواج سے برگشتہ کرنے والا، سماجی تانے بانے کو بکھیرنے والا، شاعر، کاہن اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا۔ مگر خود ہی ان الزامات پر مطمئن بھی نہ ہوتے تھے۔ جادوگر، جھوٹے یا سحر زدہ تھے تو اپنے جھگڑوں میں ان کو فیصلہ کرنے والا کیوں بناتے تھے؟ ان کو صادق اور امین کیوں کہتے تھے؟ اُن کے پاس اپنی قیمتی امانتیں کیوں جمع کراتے تھے؟ ہجرت کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف اسی مقصد سے خطرہ مول لے کر اپنے بستر پر سلایا گیا تھا کہ امانت داروں کی امانتیں واپس کر دی جائیں۔

سرولیم میور (Sir William Myur) جو حضور ﷺ کے صف اوّل کے مخالفین میں سے ہے، اس نے

اپنی کتاب ''لائف آف محمدؐ''میں مجبور ہوکر لکھا ہے: ''ہماری تمام تصنیفات محمد (ﷺ) کے چال چلن کی عصمت اوران کے اطوار کی پاکیزگی میں جو اہل مکہ میں کمیاب تھیں متفق ہیں۔اور ولیم میور جیسے مخالف کو بھی یہ لکھنے پر اس لئے مجبور ہونا پڑا کیونکہ حضرت محمد ﷺ کے وقت کے مخالفین بھی متفقہ طور پر آپ ﷺ پر کوئی الزام نہیں لگا سکے تھے۔تو کردار کشی کی دوسری ڈگر اختیار کی کہ اِن کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں چلتے،ان کے پاس باغات نہیں ہے، یہ ہمارے اوپر عذاب کیوں نہیں لے آتے،آسمان سے کوئی ٹکڑا کیوں نہیں گرادیتے وغیرہ وغیرہ۔

مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِن تمام بیہودہ مطالبوں کا ایک ہی جواب دلوایا کہ: ''میں تو صرف ڈرانے والا اور پہنچانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں کوئی تمہارے اوپر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں،اور نہ عذاب لانا، مُردوں سے بات کرانا،مُردوں کو زندہ کرکے دکھانا میری ذمہ داری ہے۔میں تو صرف کہتا ہوں کہ پہاڑی کے خطبہ (صفا پہاڑ سے پہلا دعوتی خطبہ) میں آپ ﷺ نے فرمایا''تم میری بابت کیا رائے رکھتے ہو؟ مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا سمجھتے ہو؟،سب نے ایک زبان ہوکر جواب دیا: ''ہم نے تمہارے منھ سے کبھی کوئی جھوٹی یا بیہودہ بات نہیں سنی،ہم جانتے ہیں کہ تم سچے اور امین ہو۔''

یہ تو تھی مخالفین کی غیر جانب دار گواہی جس میں تعصّب کو دخل نہیں تھا۔وہ حضور ﷺ کی چالیس سالہ زندگی کے برتاؤ اور کردار کے نتیجہ میں آپ کو جیسا کچھ جانتے تھے وہ انھوں نے بتادیا۔مگر جیسے ہی آپ ﷺ نے اگلے جملہ میں دعوت دین پیش کرتے ہوئے کہا: ''میں یہ کہتا ہوں کہ خدا ایک ہے،اس کا کوئی شریک نہیں،موت برحق ہے اور مرنے کے بعد اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے۔اگر ان باتوں پر ایمان لاؤ گے تو فلاح پاؤ گے اور دنیا وآخرت میں سرخرو ہوگے ورنہ تم پر بہت بڑا عذاب نازل ہوگا۔'' یہ دعوت سننے کے بعد ایک لمحہ پہلے صادق امین بتانے والے کہنے لگے: ''کیا ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟ بیکار ہمارا وقت برباد کیا''۔

ایک اور زاویہ سے حضور ﷺ کے کردار کو جانچیں کہ انسان کے بارے میں سب سے زیادہ اس کے قریب ترین لوگ جانتے ہیں،خاص طور سے وہ لوگ جو مشکل اور آزمائش کے حالات میں اس کے ساتھ رہے ہوں۔کیونکہ نارمل حالات میں تو آدمی اپنی اصلیت پر پردہ ڈال سکتا ہے، نیک اور پارسا،خوش مزاج اور ملنسار بنا رہ سکتا ہے،مگر کشمکش،آزمائش اور پریشانی اس کے اندر کا سارا ملمع اور میک اپ ومکاری اتار دیتی ہے۔ ایسے میں آدمی وہی نظر آتا ہے جو اندر ہوتا ہے۔ایسے میں نزولِ اوّل وحی کے بعد حضور ﷺ کا گھر آکر اپنی

اہلیہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے نہایت حیرانگی اور پریشانی کے عالم میں ملاقاتِ جبرئیل علیہ السلام کا واقعہ سنا کر ”مجھے ڈھانک دو! مجھے ڈھانک دو!“ فرمانا اور اس کے جواب میں حضور ﷺ کی سب سے قریب ترین رازدار کی تاریخی گواہی دینا: ”آپ ﷺ تردّد نہ فرمائیں! آپ ﷺ مہمان نواز ہیں! اقرباء کی مدد کرتے ہیں! بیواؤں، یتیموں اور بیکسوں کی دست گیری کرتے ہیں! سچ بولتے ہیں خدا آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑے گا“۔ اس چیلنج کی سب سے بڑی دلیل ہے: ”آخر میں تمہارے درمیان ایک عمر گذار چکا ہوں“؟

کردارِ نبوی کے اس چیلنج کا ایک دوسرا رخ قرآن میں اس طرح پیش کیا گیا ہے: ”اے نبی ان سے کہو! میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں خدا کیلئے تم اکیلے اکیلے، دودول کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو تمہارے صاحب میں کون سی بات ہے جو جنون کی ہو وہ تو ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرنے والا ہے۔ اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تم ہی کو مبارک ہو۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔(النساء:۴۷)

انبیاء کرام کی یہ سنت اور مستقل کردار رہا ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اپنی دعوت کے بدلہ میں کوئی اجر انسانوں سے طلب نہیں کیا۔ ”ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتے ہمارا اجر تو اللہ کے پاس ہے“ یہ ہر نبی کے کلام کا مقطع ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنے ذاتی اور اقربا کے مفاد کیلئے کوئی کوشش اور منصوبہ بندی نہیں کی۔ اپنی زندگی میں بھی اپنے شان وشوکت، خدم وحشم، ہٹو بچو، مصنوعی تکلّفات اور آداب کی زندگی نہیں گذاری۔ زندگی گذارنے کا جو معیار حالت تنگدستی اور مغلوبیت میں تھا وہی معیار دس لاکھ مربع میل کے بلاشرکت غیرے حاکم بننے کے بعد بھی تھا۔ اپنے لئے خصوصی مراعات کا کیا ذکر زکوٰۃ جیسی امدادی مد سے اپنی آل کا حصہ ہی منع فرمادیا۔ اپنے پیچھے کوئی جائداد اور ترکہ نہیں چھوڑا۔ جو تھا بھی وہ بھی وفات سے ایک روز قبل تقسیم کردیا۔

حضور ﷺ کے کردار کے اس پہلو کی آج تقلید کی جائے تو دنیا سے بے انصافی، رشوت خوری، جرائم، بے روزگاری بالکل ختم ہوجائے۔ جب حکمراں چٹائی پر سوئے اس کے آگے پیچھے بلیک کیٹ کمانڈو (Black cat Commando) نہ ہوں، محلوں کے باہر کئی پرتوں والا حفاظتی انتظام نہ ہو، ہر فرد حاکم سے براہ راست مل سکتا ہو اور فوری انصاف حاصل کرسکتا ہو تو بدامنی کیوں ہوگی؟ رشوت خوری کیسے ہوگی؟ ملاوٹ کیسے ہوگی؟ سیرتِ نبوی ﷺ کے اس پہلو پر چند گواہیاں اس طرح ہیں:

۱- ٹامس کارلائل (Thamas Carlyle) نے لکھا ہے: کہ ”آپ کا گھربار معمولی اور کمتر لوگوں کے

طرز کا تھااور آپ کی عام غذاء جو کی روٹی اور پانی، اکثر آپ کے چولہے میں مہینوں آگ نہیں روشن ہوتی تھی۔ کسی طرّہ دار شہنشاہ کی اتنی اطاعت نہیں ہوئی جتنی کہ اِس شخص کی اُس کے اپنے ہاتھ کی سی ہوئی عبا میں ہوئی تھی۔

۲- ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) اپنی دنیوی طاقت کے عروج پر بھی محمد کی شرافت نفس نے شاہانہ تزک واحتشام روانہ رکھا۔ دنیا چھوڑے ہوئے مجاہدوں سے نفرت کرتے ہوئے آپ بلا بناوٹ اور بلا تکلف ایک عرب اور ایک سپاہی کی طرح سادہ غذا استعمال فرماتے تھے۔

۳- پروفیسر سیڈیو'' آپ خندہ رُو، ملنسار اکثر خاموش رہنے والے بکثرت ذکر خدا کرنے والے لغو اور بیہودہ باتوں سے نفرت کرنے والے، بہترین رائے رکھنے والے تھے، آپ نہایت منصف مزاج تھے، غریبوں میں رہ کر خوش ہوتے تھے، تنگدستوں کو ان کی تنگدستی کی وجہ سے نہ تو حقیر جانتے تھے اور نہ بادشاہوں کو ان کی بادشاہی کی بناء پر برتر سمجھتے تھے''۔

۴- واشنگٹن ارون'' اپنے انتہائی قوت واقتدار کے دور میں بھی آپ نے وضع قطع اور اخلاق وعادات میں وہی سادگی قائم رکھی جو پریشانی اور بے وقعتی کے زمانہ میں آپ کا وصف رہی تھی۔ شاہانہ کروفر تو بڑی بات ہے۔ اگر کسی مجلس میں آپ کے ساتھ کچھ خصوصیت کا برتاؤ کیا جاتا تو وہ بھی آپ کو بہت ناگوار ہوتا تھا''۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ کی پوری سیرت کو پڑھ جایئے آپ کو کہیں یہ بات نظر نہ آئے گی کہ آپ ﷺ نے اپنے لئے کسی چیز کا ذخیرہ کیا ہو۔ آپ ﷺ نے اپنے لئے کیا چاہا؟ آپ ﷺ نے ساری دوڑ دھوپ انسانیت کی فلاح کیلئے، انسانوں کی تعلیم وتربیت، تزکیہ کیلئے کی، آپ ﷺ بڑے پیار ومحبت سے کہتے کہ میری حیثیت ایسی ہی ہے جیسے کسی باپ کی اپنے بچہ کے سامنے ہوتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے دنیا سے کیا لیا؟ آپ ﷺ دنیا سے چلے گئے اس حال میں کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ کون ایسا ہوگا جو غیروں کی بھلائی کیلئے سانپ کاٹے ہوئے بچہ کی طرح بلکے اور دوسروں کی بھلائی کیلئے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے۔ یہاں تک کہ اللہ رب العالمین خود دلاسہ دیں کہ: ''کیا آپ اپنے آپ کو ہلاک کرلیں گے اگر لوگ ایمان نہ لائے تو''۔

آج دنیا میں ہر طرف ایسے محسن انسانیت بادشاہی میں فقیری کرنے والے، رحیق مختوم، رحمت عالم ﷺ کے نام اور کام کو داغدار کرنے کی کوششیں اور سازشیں کرنے والے کیا اس کے 100/ویں یا 1,000/ویں حصہ کی بھی شخصیت کو پیش کرسکتے ہیں۔ درود وسلام ہو، رحمتیں وبرکتیں نازل ہوں آپ کی روحِ مبارک پر۔ آمین (بشکریہ، دارالعلوم دیوبند، ویب سائٹ)

ٹرمپ کے عہدہ سنبھالتے ہی امریکہ میں نئے دور کا آغاز

ڈاکٹر سیّد احمد قادری

ڈونالڈ جے ٹرمپ کے 20 رجنوری 17ء کو 45 ویں امریکی صدر کے عہدہ کا حلف لیتے ہی امریکہ ایک نئے دور میں داخل ہوگیا ہے۔ امریکہ کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ امریکہ کے صدر کے امیدوار کے طور پر سامنے آنے کے بعد ٹرمپ کے بعض متنازعہ بیانات دیتے ہی ان کی مخالفت کا جو سلسلہ جو شروع ہوا، وہ ان کے امریکی صدر کے طور پر حلف لینے کے بعد بھی ختم نہیں رہا ہے۔ ویسے ٹرمپ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ 2017ء سے امریکہ کی نئی تاریخ لکھی جائیگی۔ صدر ٹرمپ نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ تمہارے خواب ہمارے ہونگے اور میری توجہ امریکہ اور امریکی شہریوں کے شاندار مستقبل پر ہوگی، جس میں نیا وژن ہوگا۔ تمہارے ہر خواب پورے ہونگے۔ ہاں، صدر ٹرمپ نے اپنی تقریر میں اس طرح کا تاثر ضرور دیا کہ جیسے اس سے قبل کسی دوسرے صدر نے اپنے ملک کے عوام پر توجہ دی ہی نہیں۔

حالانکہ اپنے صدارتی عہدہ سے سبکدوش ہونے سے قبل تک براک حسین اوباما نے اپنی صاف ستھری شبیہ سے اپنے ملک کے تقریباً ہر طبقہ کے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے میں کامیاب رہے ہیں۔ 2008ء سے وہ دوبار یعنی پورے آٹھ سال تک امریکہ کے صدر رہتے ہوئے اپنی مقبولیت کو برقرار رکھا۔ نسلی امتیاز اور کالے گورے کی تفریق کے باوجود ایک کالے براک اوباما کا وھائٹ ہاؤس پہنچ جانا ایک معجزہ سے کم نہیں تھا۔ لیکن لمبے عرصے تک ہمت، حوصلہ، امید، پیہم جدوجہد اور کبھی بھی شکست تسلیم نہ کرنے کے جزبہ نے انھیں آخر کار وھائٹ ہاؤس تک کے سفر کو آسان بنا ہی دیا۔ سابق صدر اباما کو بلاشبہ اس سیاسی سفر میں کانگریس تک پہنچنے میں ناکامی بھی ملی، لیکن اس شکست سے وہ گھبرائے نہیں اور امریکی سینیٹ اور پھر وھائٹ ہاؤس پہنچ کر آٹھ سال تک پوری دنیا پر نظر رکھنے والے ملک کے صدر کے طور پر حکومت کی۔ ان کی مخالفت نہیں ہوئی، ایسی بات بھی نہیں تھی، خوب مخالفت ہوئی۔ یہاں تک کہ اوباما کے حلف لینے والی شب ہی، واشنگٹن کے ایک ریستوراں میں پندرہ ریپبلکن لیڈروں نے ان کی حکومت کو کمزور کرنے کی سازش بھی رچی تھی۔ ان لوگوں نے ہر اس بات کی مخالفت شروع کر دیا تھا، جن باتوں کی حمایت اباما نے کی تھی۔ یہاں تک کہ میک کونل نے کہا تھا کہ ملازمت، تعلیم، صحت یا گھر نہیں بلکہ اباما کو صرف ایک ٹرم کے طور پر صدر بنا کر رکھنا ہے۔ لیکن اباما

نے بڑے عزم، حوصلے اور بردباری سے اپنے مخالفین کا سامنا کرتے ہوئے انھیں بھی اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔ دراصل اباما نے اس بات کو بہت شدت سے محسوس کرلیا تھا کہ کالے اور گورے کے درمیان خلیج کافی گہری ہے اور ایک کالے صدر کے طور پر ان کی راہ آسان نہیں ہے۔ انتہا تو یہ تھی کہ بعض کالے بھی ان کی مخالفت پر اترے ہوئے تھے اور ان کا مطالبہ تھا کہ انھیں جو سیاسی حصہ داری ملنا چاہیئے، وہ اباما نہیں دے رہے ہیں۔

حالانکہ اباما بار بار یہ کہتے رہے وہ ہر امریکی شہری کے صدر ہیں صرف کالوں کے نہیں ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اباما نے رنگ و نسل سے اُپر اٹھ کر ہر کا خیال رکھا اور ہر کے دل میں جگہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ امریکی تاریخ اباما کو ایک کامیاب اور بہتر صدر کے طور پر یاد رکھے گی۔ ساتھ ہی ساتھ تاریخ اس بات کی بھی گواہ رہے گی کہ امریکی صدر کے طور پر براک اباما نے امریکہ میں نسلی امتیازات کے رشتوں کو سدھارنے میں بھرپور ذہانت سے کام لیا ہے۔ براک حسین اباما کو دنیا کے سب سے بڑے 'نوبل امن انعام' سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ لیکن ان کے مخالفین اس امن کے انعام پر اس طرح سوالیہ نشان لگاتے ہیں کہ یہ وہی براک اباما ہیں، جو ایک طرف تو دنیا میں امن و امان قائم کرنے کیلئے نوبل امن انعام لیتے ہیں اور دوسری جانب وہ مختلف مما لک میں بموں کی برسات بھی کرتے ہیں۔

Council Foreign Relations کی ایک رپورٹ کے مطابق اپنے دور اقتدار میں براک اباما نے سیریا میں 12,192، عراق میں 12,095 افغانستان میں 1,337، لیبیا میں 496 یمن میں 35، صومالیا میں 14 اور پاکستان میں 3 یعنی کل 26,172 بموں سے حملہ کر ان ممالک کی نہ صرف اقتصادی طور کمر توڑنے کی کوشش کی بلکہ یہاں کے ہزاروں معصوم و بے گناہ شہری خاک وخوں میں ڈوبے۔ ان میں سے کئی ایسے ممالک ہیں، جہاں کی اب تک زندگی معمول پر نہیں لوٹی ہے۔ یہاں کے شہری بے پناہی کے شکار ہیں اور دردر سر چھپانے کیلئے بھٹک رہے ہیں۔ ویسے ہم اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتے ہیں کہ جس وقت براک اباما نے 2008ء میں جارج ڈبلو بش کے بعد اقتدار سنبھالی تھی، اس وقت امریکہ مسلسل مختلف ملکوں سے جنگ و جدال میں ڈوبا ہوا تھا، اور کئی ممالک کو جنگ کی آگ میں جھونکے ہوئے تھا۔ جس کے باعث اس ملک کی اقتصادی، سماجی، معاشی صورت حال بہت ہی ناگفتہ بہ تھی۔ امریکہ کا پورا اقتصادی ڈھانچہ چرمرایا ہوا تھا۔ یہاں کے لوگ ایک عجیب سی بے یقینی اور بے یقینی صورت حال سے دوچار تھے۔ ایسے نازک دور کو اباما نے بلاشبہ معمول پر لایا اور ان کوششوں کو سراہا گیا۔ براک اباما نے جاتے جاتے اپنے آخری دنوں میں

کئی ایسے کام کر گئے ہیں، جو آنے والے دنوں میں یاد رکھے جائینگے۔انھوں نے ایک طرف جہاں یہودی اور ہندو کو بھی آنے والے وقتوں میں امریکہ کے صدر بننے کا خواب دکھایا ہے، وہیں انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ مسلم سمیت دیگر اقلیتوں اور کالوں سے منافرت کو امریکہ برداشت نہیں کرے گا۔ جمہوریت میں اتحاد ہی متحدہ امریکہ کی پہچان ہے۔امریکہ کے لوگ اپنی اس مخصوص پہچان کو برقرار رکھنے کی ہرممکن کرینگے۔اس لئے کہ یہ اقلیت، مسلمان اور کالے اتنے ہی محبّ وطن ہیں، جتنے دوسرے ہیں۔اباما نے ان لوگوں پر طنز کرتے ہوئے، جو خود کو بہت زیادہ محبّ وطن ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کہا کہ کچھ لوگ خود کو دوسروں کے مقابلے زیادہ بہتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسے وقت میں جمہوریت کی شکست ہوتی ہے۔ دور صدارت ختم ہونے سے چند روز قبل براک اباما نے جہاں 64 قیدیوں کو مکمل معافی دی، وہیں ایسے 209 قیدیوں کی سزا کو ختم کرنے کا بھی اعلان کیا، جو بہت دنوں سے قید وبند کی سزا کاٹ رہے تھے۔ان میں اگست 2013ء سے 35 سال کی سزا بھگتنے والی چیلسی میننگ بھی شامل ہے، جو کہ سفارتی مراسلوں اور میدان جنگ کی رپورٹوں کو افشاٗ کرنے کی مرتکب پائی گئی تھی اور ان رپورٹوں کو وکی لکس نے شائع کر ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ 29 سالہ میننگ اپنی جنس تبدیل کرانے سے قبل بریڈلی میننگ کے نام سے ایک مرد کے طور پر جانی جاتی تھی اور جو فوج کے خفیہ معلومات کا تجزیہ کرنے کی ماہر تھی۔اس کی قید کی مدت 17 رمئی 2045ء کو ختم ہونے والی تھی۔اور کنساس میں واقع فورٹ لیوین جیل میں قید یہ میننگ دوبار خودکشی کی بھی کوشش کر چکی ہے۔ اس قیدی کو معافی دئے جانے پر اباما کی تنقید بھی کی گئی ہے۔لیکن اباما نے اس کی پرواہ کئے بغیر اسے معافی دے دی۔اباما نے امریکی انتظامیہ کے ماتحت پیوٹوریکو کی آزادی کیلئے تحریک چلانے والی 55 سال کی سزا پانے والی آسکر لوپیج ریویرا کی بھی سزا کو معاف کر دیا ہے۔ویسے رویرا 1999ء میں ملنے والی معافی کو ٹھکرا چکی ہیں۔ براک اباما کے کئے گئے ان فیصلوں کو نئے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کس طرح لیتے ہیں، یہ سوال لوگوں کے ذہن میں سر ابھار رہا ہے۔ان فیصلوں اور اپنے آخری عوامی خطاب میں براک اباما نے جو تاثر دیا ہے، وہ یقینی طور پر ایک بہتر انسان، ایک ذہین اور دور اندیش سیاست داں اور ایک بااثر صدر مملکت کا ہے۔اباما کی آخری تقریر سے امریکہ کی ایک بچی اس قدر متاثر ہوئی کہ اس نے ٹویٹ کر اباما کو لکھا کہ آپ آٹھ سال تک وھائٹ ہاؤس میں نہیں رہے، بلکہ ہم لوگوں کے دلوں میں رہے اور کبھی بھی آپ ہم سے جدا نہیں ہو سکتے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ امریکہ آج دنیا کا طاقت ور ملک اس لئے تسلیم کیا جاتا ہے کہ

یہاں دنیا کی سب سے بڑی معیشت ہے۔ یہاں کی قومی پیداوار دنیا بھر کی مجموئی قومی پیداوار کا تقریباً ایک چوتھائی ہے۔ اس کی فوجی طاقت دنیا بھر میں پہلے نمبر پر ہے، جبکہ روس اور چین دوسرے اور تیسرے نمبر پر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ امریکہ میں دنیا کی قدیم اور مستحکم جمہوریت قائم ہے، جو کہ دنیا کیلئے ایک مثال ہے۔ اب ایسے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ آنے والے دنوں میں اس بڑے ملک کے نئے صدر اسے کس نہج پر لے جاتے ہیں۔ امریکہ ایک ایسا ملک ہے جس کے ہر عمل و دخل پر پوری دنیا کی نگاہ رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 8 رنومبر 16ءکو ہونے والے امریکی صدر کے انتخاب پر بھی دنیا کے تقریباً ہر ملک کی نہ صرف گہری نظر بلکہ گہری دلچسپی تھی اور ڈونلڈ ٹرمپ کی غیر متوقع کامیابی سے جہاں چند ممالک میں خوشی کی لہر نظر آئی، وہیں بیشتر ممالک کی حکومت اور عوام کے درمیان مایوسی دیکھی گئی۔ خدشات اور مایوسی کی وجہ امریکہ کے صدر کے انتخابی مہم کے دوران ٹرمپ کے وہ متنازعہ بیانات تھے، جو بلا شبہ ان لوگوں کے لئے خوف زدہ اور سراسیمہ کر دینے والے تھے، جنھیں ان بیانات سے براہ راست متاثر ہونے کا خدشہ لاحق ہے۔ اس لئے ٹرمپ کی کامیابی کے بعد ایسے لوگ فطری طور پر پریشان نظر آ رہے ہیں۔ کچھ لوگ جہاں ایک طرف اس نئی تبدیلی پر اپنے اطمینان کا اظہار کر رہے ہیں، وہیں دوسری جانب کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو قطعئ مطمئن نہیں ہیں۔ امریکہ کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ کسی امیدوار کے صدر منتخب ہو جانے کے بعد بھی مسلسل مخالفت میں تحریر، تقریر اور تحریک کا سلسلہ جاری ہو۔ بہت سارے لوگوں کے ساتھ ساتھ ڈیموکریٹک پارٹی کے 26 ارکان نے بھی ٹرمپ کے حلف برداری کی تقریب کے بائکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ حد تو یہ ہوگئی کہ نئے صدر کے عہدہ کا، جب ٹرمپ حلف لے رہے تھے اس وقت بھی نہ صرف واشنگٹن ڈی سی کے اطراف اور پیریڈ روٹ پر ان کی مخالفت میں مظاہرے، اور توڑ پھوڑ کا سلسلہ چل رہا تھا اور مظاہرین اور پولیس کے درمیان تصادم ہو رہا تھا۔ ایسے مظاہرے دنیا کے کئی اہم ممالک میں بھی دیکھنے کو ملے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ٹرمپ نے جمہوریت کے چوتھے اہم ستون کو بھی اپنا مخالف بنا لیا ہے۔ اپنی ایک پریس کانفرنس میں ٹرمپ، جس طرح سے بعض بڑے میڈیا والوں کے ساتھ پیش آئے۔ یہ سماں دیکھ کر تو پوری دنیا کے میڈیا اور اس کی آزادی پر قدغن کے سلسلے میں مباحث کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ ٹرمپ اور میڈیا کے درمیان ہونے والے ٹکراؤ کا آگے چل کر کیا نتیجہ کیا نکلے گا، یہ تو وقت بتائیگا۔ لیکن صرف اس بنیاد پر کہ ان کی مخالف امیدوار کو میڈیا

والوں نے زیادہ ترجیح دی، خفا ہونا مناسب نہیں۔ عام طور پر تو ہوتا یہ ہے کہ اپنی کامیابی کے بعد بڑے اورعہدہ جلیلہ پر فائز ہونے والے ایسی چھوٹی باتوں کوفراموش کردیتے ہیں۔ برسراقتدار پارٹی کے رہنما ہوں، یا حزب مخالف کے رہنماءٔ،صحافیوں کو ان سے سوال کرنے کا، ہر جمہوری ملک میں آزادی ہے۔اس آزادی کو سلب نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پہلے پریس کانفرنس کے دوران میڈیا اور ٹرمپ کے درمیان جس طرح ناچاقی دیکھی گئی، وہ آنے والے دنوں میں کون سارخ اختیار کرینگے، یہ ابھی دیکھنا ہے۔ ہر جمہوری ملک میں حکومت اورعوام کے درمیان درحقیقت یہی میڈیا ہی پُل کا کام کرتے ہیں۔سوشل میڈیا اور ٹوئیٹر سے کام نہیں چلتا ہے ۔میڈیا اور ٹرمپ کے درمیان ہونے والی رنجش یا یہ کہیں کہ اختلافات کے بعد امریکی میڈیا کی ایک انجمن نے ایک طویل مکتوب بنام ٹرمپ جاری کیا ہے،جس میں ٹرمپ سے کہا گیا ہے کہ خبر کیسے اور کہاں پیش کیا جائے،اس کا فیصلہ ہمیں کرنا ہے اور ہم آزاد ہیں اس بات کیلئے کون سی خبر کہاں اور کیسے شائع کرنا ہے۔

ان تمام باتوں کے مدنظر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ڈونالڈ ٹرمپ کے صدر بننے کے بعد امریکہ کے لئے ایک نئے عہد کا آغاز ہو چکا ہے اور امریکہ کی نئی تاریخ رقم ہوگی،جس کے اثرات دنیا کے مختلف گوشوں پر بھی پڑینگیبلکہ پڑنا شروع بھی ہو چکے ہیں۔ٹرمپ نے آتے ہی کئی ایسے فیصلے کئے ہیں،جن کی مخالفت بڑے پیانے پر ہو رہی ہے۔ٹرمپ نے یہ کہتے ہوئے کہ امریکہ میں مسلمانوں کا داخلہ محدود کرنا انتہائی ضروری ہے اور انھوں نے سات مسلم ممالک عراق، شام،ایران، سوڈان، لیبیا، سومالیہ اور یمن کے شہریوں پر امریکی ویزہ پر پابندی کا حکم جاری کر دیا ہے۔ جس کے احتجاج میں ایران کی مشہور اداکارہ ترانہ علی دوستی نے آسکر ایوارڈ کی تقریب کے بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ادھر امریکہ کی سابق وزیر خارجہ میڈلن البرٹ نے کہا ہے کہ اگر صدر ٹرمپ نے امریکی مسلمانوں کا الگ اندراج کرانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ احتجاجاً خود کو مسلمان کے طور پر رجسٹر کرائینگی۔میکسیکو کی درآمدات پر بیس فی صد ٹیکس لگانے کا بھی اعلان کر ٹرمپ نے چونکا دیا ہے۔ برطانوی وزیر اعظم تھرسیامے نے صدر ٹرمپ کو یہ مشورہ دے کر چونکا دیا ہے کہ وہ روسی صدر پوتین سے ہوشیار رہیں۔امریکہ میں ریپبلیکن پارٹی کے اراکین کانگریس سے خطاب کے دوران تھرسیامے نے کہا ہے کہ وہ امریکہ کے ساتھ برطانیہ کے تعلقات کو نئی بلندی پر لے جانا چاہتی ہیں، کیونکہ دونوں ممالک مل کر دنیا کی قیادت کر سکتے ہیں۔اس وقت دنیا کا منظر نامہ بڑی تیزی سے بدلاؤ کی طرف بڑھ رہا ہے۔حالات کب کون سا کروٹ لیتا ہے،نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ❍❖❍

گوشہ خواتین

حیض ونفاس والی عورت احرام کے وقت کیا کرے!

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی، بلند شہریؒ

عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَكَثَ بِالْمَدِيْنَةِ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ بِالحجّ فِي العَاشِرَةِ اَنَّ رَسولَ اللّٰهِ ﷺ حَاجٌّ فَقَدَّمَ المَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ فَخَرجْنَامَعهُ حتىّٰ اِذَا اَتَيْنَاذَا الحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ اَسْمَآءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَبْنَ اَبِي بَكْرٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى رَسولِ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ اَصنَعُ قَالَ اِغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَاحْرُمِيْ. (مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ ہجرت (کے بعد) رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں نو سال قیام فرمارہے اور حج نہیں کیا، پھر دسویں سال لوگوں میں حج کا اعلان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اِس سال حج فرمانے والے ہیں۔ اعلان سن کر کثیر تعداد میں لوگ مدینہ منورہ حاضر ہوگئے، چنانچہ ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے جب مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو وہاں اسماء بنت عمیسؓ کے بطن سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوگئے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سوال بھیجا کہ میں اب کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: غسل کرلو اور کسی کپڑے سے لنگوٹ کس لو اور احرام باندھ لو۔

تشریح: مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کے بعد ۸ھ مکہ معظّمہ فتح ہوا، اور ۹ھ میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا، ان کی امارت میں اُس سال حج ادا کیا گیا، اُس کے بعد ۱۰ھ میں حضور اقدس ﷺ نے خود حج کا ارادہ فرمایا اور حج کیلئے روانہ ہونے کی اطلاع عام مسلمانوں کو دے دی۔ اطلاع پاتے ہی آپ ﷺ کی ہمراہی کیلئے انصاری اور کثیر تعداد میں مدینہ منورہ میں آدمی جمع ہوگئے، پھر سب نے ملکر آپ ﷺ کے ساتھ مکہ معظّمہ کا سفر شروع کیا۔ جب کوئی مکہ معظّمہ میں داخل ہو تو اس کو میقات سے احرام باندھنا چاہئے، اور حضور ﷺ نے پانچ میقاتیں بتائی ہیں۔ مدینہ منورہ کے رہنے والوں کی میقات ''ذوالحلیفہ'' ہے، یہ مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل ہے، آج کل اِس کو ''بیر علی'' کہتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جن میں مرد وعورت سب ہی تھے، ذوالحلیفہ پہنچے، یہاں ایک رات قیام فرمایا، پھر یہاں سے احرام باندھ کر مکہ معظّمہ کیلئے روانہ ہوئے۔

جب ذوالحلیفہ میں قیام فرما تھے تو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے لڑکا تولد ہوگیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، اس موقع پر جو لڑکا پیدا ہوا اُس کا نام ''محمد'' رکھا گیا اور یہ بچہ تاریخ میں ''محمد بن ابی بکر'' کے نام سے مشہور ہوا۔

ولادت کے بعد خون جاری ہوجاتا ہے جس کو نفاس کہتے ہیں اور اس کے احکام بھی وہی ہیں جو حیض (عورتوں کی ہر مہینہ والی مجبوری) کے احکام ہیں، جب حیض ونفاس کا زمانہ ہو تو کئی عبادتیں منع ہوجاتی ہیں۔ چونکہ یہ ایک اہم عبادت کا سفر تھا، مکہ معظّمہ پہنچ کر حج کرنا تھا اور اس سے پہلے اس طرح کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا، اس لئے مسئلہ جاننے کی ضرورت تھی کہ اِس حالت میں حج کا احرام باندھیں یا نہ باندھیں، اور پھر احرام باندھنے کے بعد حج کیسے کریں۔ لہذا ضروری ہوا کہ حضور اقدس ﷺ سے اِس بارے میں دریافت کیا جائے اور مسئلہ معلوم ہوجائے کہ جو عورت اِس حال میں ہو وہ احرام کے موقع پر کیا کرے۔ جب آپ ﷺ سے مسئلہ معلوم کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ غسل کرلو اور لنگوٹہ کس لو اور احرام باندھ لو! چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور احرام باندھ کر حج کے ارکان وافعال ادا کئے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ چاہے حالت نفاس ہو یا حالت حیض ہو، یہ دونوں حالتیں احرام سے روکنے والی نہیں ہے، غسل کے بعد لنگوٹا کس کے حج یا عمرہ کی نیت کر کے ''لبیک اللھم لبیک الخ'' پڑھ لے، ایسا کرنے سے عورت احرام میں داخل ہوجائے گی، البتہ احرام کی رکعتیں نہ پڑھے، کیونکہ ہر نماز کیلئے پاک ہونا شرط ہے۔ احرام کے موقع پر جو غسل کیا جاتا ہے یہ غسل نظافت ہے، یعنی اس سے صفائی ستھرائی مقصود ہوتی ہے، حیض یا نفاس کے دنوں میں کوئی عورت اگر غسل کرے تو اس سے پاک نہ ہوگی لیکن صفائی ستھرائی ہوجائیگی، اس لئے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے غسل کرنے کا حکم فرمایا۔

اور جاننا چاہئے کہ احرام کے موقع پر غسل کرنا فرض وواجب نہیں البتہ مسنون ہے، ثواب کی چیز ہے، اگر کوئی مرد وعورت بلا عذر بھی بغیر غسل کے احرام باندھ لے تو تب بھی اس کا احرام صحیح ہوجائیگا۔

حج میں صرف ایک ہی چیز ہے جو حیض ونفاس کی حالت میں نہیں ہوسکتی، دوسرے احکام جو عرفات، مزدلفہ، منٰی میں ادا کئے جاتے ہیں ان کیلئے پاک ہونا شرط نہیں ہے اور وہ حالت حیض ونفاس میں، جنابت اور بے وضو ادا ہوسکتے ہیں۔ جب کوئی عورت حج کا احرام حیض ونفاس کے دنوں میں باندھ لے تو مکہ معظّمہ پہنچنے کے بعد پاک ہونے تک طواف قدوم نہ کرے جو مسنون ہے، جب پاک ہوجائے تو طواف کرلے، یہ طواف منٰی، عرفات جانے سے پہلے ہوتا ہے، اور عرفات، مزدلفہ، منٰی کے سب احکام ادا کرے، بارہویں تاریخ کا سورج چھپنے

سے پہلے پہلے پاک ہوجائے تو غسل کر کے طواف زیارت کرے، طواف زیارت فرض ہے جو بارہویں تاریخ کے اندر اندر ہوجانا واجب ہے۔ یہ طواف دس، گیارہ، بارہ تینوں تاریخوں میں سے کسی دن کر لینا لازم ہے، لیکن اگر کوئی عورت ان تینوں دنوں میں بھی حیض یا نفاس سے پاک نہ ہوتو مکہ معظّمہ میں مقیم رہے اور پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرے، اس کے بعد طوف وِداع کر کے وطن کیلئے روانہ ہو، کیونکہ یہ تاخیر شرعی مجبوری کی وجہ سے ہوگی، اس لئے طواف زیارت کو بارہویں تاریخ سے لیٹ کرنے کی وجہ سے کوئی دم وغیرہ واجب نہ ہوگا۔

اگر کسی عورت نے حج کا سفر شروع کر دیا اور احرام باندھنے سے پہلے ماہواری کے دن آ گئے تو میقات پر پہنچ کر احرام باندھ لے پھر مکہ معظّمہ پہنچ کر پاک ہونے کا انتظا کرے، پا کی کے بعد غسل کر کے طواف قدوم کرے، اسی طرح اگر احرام باندھنے کے بعد ایام شروع ہوجائیں تو مکہ معظّمہ پہنچ کر پاک ہونے کا انتظار کرنا ہوگا، پاک ہوکر طوف کرے۔ حج کی تاریخ چونکہ مقرر ہے اس لئے اگر پاک نہ ہوتو بھی طواف قدوم کو چھوڑ کر ۸/ذی الحجہ کو منیٰ کیلئے اور وہاں سے عرفات کیلئے روانہ ہوجانا درست ہے اور عمرہ کی چونکہ کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے جتنے بھی دن گزر جائیں وہ قضا یا فوت نہ ہوگا، اس لئے ایام ماہواری شروع ہونے کی صورت میں پاک ہونے کا انتظار کرے جب بھی پاک ہوجائے غسل کر کے عمرہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرے۔

عورتوں کو اپنا حال معلوم ہوتا ہے اور اندازہ رہتا ہے کہ ماہواری کے ایام کب شروع ہوجائیں، سیٹ پہلے سے سوچ سمجھ کر تجویز کریں، بہت سی عورتیں واپسی پر طواف زیارت کے دنوں میں حیض میں مبتلا ہوجاتی ہیں اور سیٹ پہلے سے اُوکے ہوئی ہوتی ہے، لہٰذا طواف زیارت کو چھوڑ کر وطن کو واپس چلی جاتی ہیں۔ طواف زیارت حج میں فرض ہے، اس کا چھوڑنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص ظہر کی چار رکعت کی بجائے تین رکعت پڑھ لے اور چونکہ زندگی کا پتہ نہیں ہے کہ پھر واپس آ کر طواف زیارت کر سکیں گے یا نہیں، اس کا کوئی یقین نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا عرفات، مزدلفہ اور منیٰ کے کاموں سے فارغ ہوکر مکہ معظّمہ میں قیام کر کے پاک رہنے کا انتظار کرے اور پاک ہوکر طواف زیارت اور طواقف وِداع کر کے جائے۔

اور ایک یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب تک طواف زیارت نہ ہوجائے میاں بیوی والا خاص کام حلال نہیں ہوتا۔ اگر طواف زیارت چھور کر چلے گئے تو جذبات کی رَو میں آ کر اندیشہ ہے کہ میاں بیوی والا کام کر گزریں۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوجائے تو اس کی تلافی کیسے کرنا ہے اس کو علماء سے پوچھ لیں۔ ○❖○

عورت کا مقام

تحریر: امتیاز علی شاکر

آج خواتین کے حقوق کی جنگ تو بہت سے خواتین و مرد لڑ رہے ہیں۔لیکن اصل بات کم ہی لوگ کرتے ہیں،خاص طور پر خواتین۔جدت اور فیشن پسندی نے آج کی عورتوں کی آنکھوں پر فحاشی و جہالت کی پٹی باندھ دی ہے۔جس کی وجہ سے آزاد خیالی نے جنم لیا اور عورت بڑی تیزی سے اپنے ساتھ ساتھ پورے معاشرے کو دور جہالت کی طرف لے جارہی ہے۔میرے نزدیک بننا،سنورنا،صاف ستھرا اور خوبصورت لباس پہننا فحاشی یا بے حیائی نہیں،لیکن عورت ہو یا مرد انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ بنتا سنورتا ہے تو اس کا دل کرتا ہے کہ دوسرے اُس پر گہری نظر ڈال کر دیکھیں،خاص طور پر مخالف جنس۔بس یہی چیز بے حیائی اور فحاشی کا سبب بنتی ہے۔

عورت کو بننے سنورنے کا حق ہے لیکن نمائش کا نہیں،اگر عورت گھر میں رہتی ہے،جہاں غیر محرم مردوں کا آنا جانا نہیں ہے تو خوب بنے سنورے،اور جب کسی مقام پر غیر محرم لوگوں کی موجودگی پائے تو نہ صرف اپنے جسم کا بلکہ نیت،آنکھوں،کانوں اور زبان کا ٹھیک اسی طرح پردہ کرے جس طرح اسلام نے اسے درس دیا ہے۔جہاں تک بات ہے خواتین کے حقوق کی تو انہیں حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے دین کے بعد اہم ترین کردار عورت کو ہی ادا کرنا ہوگا،کیونکہ زیادہ تر عورت ہی عورت پر ظلم کرتی ہے۔شائد میری بہنوں کو میری کوئی بات ناگوار گزرے اس لئے یہاں اپنی ایک بہن کے لکھے الفاظ رقم کرتا چلوں۔

’’عورت ایک بہت ہی پیارا نام ہے جو کہیں ماں تو جنت،بیوی تو عزت،بہن،بیٹی تو بہت نازک اور محبت بھرے رشتے،اگر کزن،خالہ،پھوپھی تو دوستی اور محبت کرنے والی دوستوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ہمارے معاشرے میں عورت پر بہت ظلم ڈھائے جاتے ہیں۔کبھی آپ نے غور کیا کہ یہ ظلم کرنے والے ہوتے کون ہیں؟ان میں زیادہ تر ظلم کرنے والی خود عورتیں ہی ہیں۔تو یہ عورت بیک وقت دو کردار کیوں رکھتی ہے؟ایک طرف تو وہ نہایت نرم دل،شفیق ماں ہوتی ہے تو دوسری طرف ایک انتہائی سخت مزاج ساس ہوتی

ہے۔ وہ لکھتی ہیں: کہ اگر خدانخواستہ کوئی عورت جلتی ہے تو اسے جلانے والی بھی تو ایک عورت انتہائی سخت مزاج ساس ہوتی ہے۔ گھر کو جنت بھی عورت بناتی ہے اور دوزخ بھی عورت ہی بناتی ہے۔ عورت اگر اپنے بچوں کی اچھی پرورش کرے تو بچے اچھے اور کامیاب انسان بنتے ہیں اور معاشرے میں باوقار اور مثبت انداز میں زندگی بسر کرتے ہیں؛ جبکہ اگر عورت اپنے بچوں کی پرورش اچھے انداز میں نہ کرے تو وہ چرسی، شرابی، جواری، چور اور ڈاکو ہی بنتے ہیں جو نہ اپنے والدین اور معاشرے کیلئے شرمندگی کا باعث بنتے ہیں بلکہ ملک و قوم کیلئے بھی کوئی مثبت رول پلے نہیں کر پاتے''۔

شیبا بہن نے عورت کے ماں، بیوی، بہن، پھوپھی اور خالہ کے محبت بھرے رشتوں کی تعریف بہت خوبصورت انداز میں کی ہے۔ میں تو فقط یہی جانتا ہوں کہ اگر میں ساری زندگی بھی ان محبت بھرے رشتوں کی تعریف کرتا رہوں تو یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا، میرے الفاظ تو ختم ہو سکتے ہیں لیکن ان رشتوں کی تعریف مکمل نہیں ہوسکتی۔ انسانی خاص طور پر مسلم معاشرے میں عورت کا مقام کیا ہے؟ ہر باشعور انسان یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ عورت پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ بڑی قابل عزت ہستی ہے۔ اسلام نے عورت کو کس قدر عزت دی ہے اس بات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عورت (ماں) کے قدموں کے نیچے رکھی ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اسلام کلی مساوات اور عدل وانصاف کی دعوت دیتا ہے اور بچوں پر رحم وشفقت کے سلسلہ میں اسلام نے مرد وعورت' مذکر، مونث اور نر و مادہ میں تفریق نہیں کی تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک پر عمل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا: کہ عدل کرو یہی بات تقویٰ سے نزدیک ہے''۔ لڑکی کو لڑکے سے کمتر سمجھنے کی غلط ذہنیت کو ختم کرنے کیلئے اسلام نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے بیٹی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی کے گھر دو لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی پرورش کرے حتیٰ کہ وہ جوان ہو جائیں تو ان کا نکاح کرے تو ایسا آدمی بالکل اسی طرح میرے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا جس طرح شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ساتھ ساتھ ہیں۔ (ترمذی)

اسلام سے پہلے اہل عرب بیٹی کی پیدائش کو منحوس سمجھتے تھے۔ اول تو بیٹی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا کرتے یا پھر جب بیٹیاں چلنے پھرنے کے قابل ہوتیں تو باپ انھیں کسی بہانے سے جنگل میں لے جاتے اور

کسی گڑھے میں پھینک کرمٹی میں دفن کردیتے۔

اہل عرب کا یہ ظالمانہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا ناگوار گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سخت مذمت کرتے ہوئے ارشادفرمایا کہ: ''اور جب اس لڑکی کو جوزندہ دفن کردی گئی ہو پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی''۔ یہاں پوچھنے کا مقصد اس بچی کی گواہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ سب دیکھتا سنتا اور جانتا ہے۔ یقیناً بچی گواہی دے کہ وہ تو معصوم تھی اسے تو معلوم ہی نہ تھا کہ جرم کیا ہے۔ اہل یونان کی طرح اہل عرب معاشرہ میں بھی غلامی کا رواج عام تھا۔ لونڈیاں اور غلام بازار میں عام جانوروں کی طرح بیچے جاتے تھے۔ غلام کی قیمت ادا کرنے والے آقا اپنے غلاموں سے طرح طرح کے کام لیتے اوران پر ہرطرح کے ظلم وستم ڈھاتے تھے۔ ایسے جاہل معاشرے میں عورت کا مقام کیا ہوسکتا تھا۔ اہل شعور یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ میں اس دور میں موجود نہ تھا اس لیے اندازہ ہی لگا سکتا ہوں۔

میرے خیال کے مطابق دور جہالت میں عورت صرف ایک جسم تھی جس کی کوئی قیمت بھی نہ تھی اور اسے اپنی ہی زندگی پر کسی قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔ جیسے کوئی بھیڑ یا بکری پالنے والا جب چاہے جہاں چاہے باندھ دے، جب چاہے جسے چاہے بیچ دے اور جب چاہے ذبح کردے۔ عورت دور جہالت میں عرب اور یونانی معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ تھی۔ جاہل لوگ بیٹیوں کو عار سمجھ کر پیدا ہوتے ہی قتل کردیتے۔ ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہے شادی کرلیتا۔ باپ کی بیوہ ورثے میں بڑے بیٹے کی داشتہ بن جاتی، عورت کیلئے اس معاشرے میں کوئی عزت واحترام نہ تھا۔ عورت کا مقام پالتوں جانور سے بھی کمتر تھا۔

> ایک مرتبہ شیخ الحدیث مولانا زکریا (قدس سرہ) دارالعلوم کراچی تشریف لائے (یہ اللہ کے بندے اخلاص کے پیکر عنداللہ اتنے مقبول ومنظور تھے کہ ان کی تصنیف شدہ کتب فضائل 24 رگھنٹوں میں سے کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں پڑھی نہ جاتی ہوں) ہم نے عرض کیا: حضرت کوئی نصیحت فرمادیجئے! تقریر کرنے کا تو معمول نہ تھا صرف ایک جملہ ارشادفرمایا: **طالب علموں اپنی حقیقت پہچانو!! اپنی قدر پہچانو!!**
>
> حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب

مسئلہ طلاق

جہالت اور میڈیا کی جانب داری کے تناظر میں

از: غلام رسول دیش مکھ، انجمن روڈ، بھساول

آئے دن مسئلہ طلاق موضوعِ بحث بنتا جارہا ہے۔ میڈیا واقعات کو غلط رنگ دے کر شریعت اسلامیہ ہی کو نشانہ بناتا ہے۔ اس مسئلہ میں تعصب اور اسلام دشمنی کے ساتھ ناواقفیت اور جہالت کو بھی دخل ہے۔ اور جہاں تک مسلمانوں کا معاملہ ہے وہ بھی اس مسئلہ میں لاعلمی اور جہالت کا شکار ہیں۔ اکثر لوگ طلاق کا غلط استعمال کر کے متعصب لوگوں اور میڈیا کو مواقع فراہم کرتے رہتے ہیں۔ درج ذیل مضمون میں آسان انداز میں شریعت میں طلاق کے متعلق احکام اور صلح صفائی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ازدواجی زندگی میں اکثر شکوے شکایات، غلط فہمیاں، بدگمانی اور شک وشبہ کا ماحول پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔ مشترک خاندان، گھریلو ماحول، جذباتیت، مزاج میں تفاوت، ضد، جہالت، غربت اور منشیات کا استعمال وغیرہ۔ اس کے علاوہ دین داری یا شعوری دین داری کا نہ ہونا، خوف خدا اور آخرت کی جواب دہی کا عدم احساس، دین سے غفلت و بے نیازی اکثر گھریلو ماحول کو خراب کرتی ہے۔

مندرجہ بالا باتیں ازدواجی زندگی میں ممکنات میں سے ہیں۔ ان باتوں کی اصلاح اور تدارک کیلئے شریعت اسلامیہ نے واضح احکامات اور ہدایات دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

''وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کیلئے لباس۔'' (سورہ بقرہ:۱۸۷)

''اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی ہے۔'' (سورہ الروم:۲۱)

''ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔'' (سورہ نساء:۱۹)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''کوئی مومن کسی مومنہ سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی ایک عادت پسند نہ ہوگی تو دوسری صفت یقیناً پسندیدہ ہوگی۔'' (مسلم)

یہ بات بھی یاد رہے کہ عورتیں عام طور پر جذباتی ہوتی ہیں۔اس لئے جلد غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتی ہیں، اور کچھ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ان حالات میں مرد کو حکمت سے کام لینا چاہئے تا کہ معاملہ الجھنے نہ پائے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے:

''عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیوں کہ عورتوں کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔اور پسلی کا سب سے ٹیڑا حصہ اوپر والا ہوتا ہے۔اگر تم انہیں سیدھا کرنے جاؤ گے تو توڑ کر رکھ دو گے۔اور اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔لہٰذا عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔'' (بخاری)

اگر مرد اور عورت میں شکوے شکایات بڑھ کر نفرت پیدا ہو گئی ہو اور نباہ مشکل نظر آ رہا ہو تو ایسے حالات میں اسلام نے اصلاح اور میل ملاپ کی خاطر ان تدابیر اور حکمت عملی کو اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ۔(اگر نہ سمجھیں تو خواب گاہ میں ان کو تنہا چھوڑ سکتے ہو، اور (ضرورت محسوس ہوئی تو تادیب کیلئے) ان کو مار بھی سکتے ہو۔پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ نہ تلاش کرو۔یقین جانو اللہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔'' (النساء:۳۴)

اس آیت میں شوہر کو عورتوں کی نافرمانی کی اصلاح کیلئے تین تدابیر بتائی گئی ہیں۔ایک فہمائش، اور اگر اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو ان کو بستروں پر علیحدہ چھوڑ دیا جائے۔تا کہ شوہر کی ناراضگی کا پتہ چل جائے۔اگر اس کے بعد بھی معاملہ سلجھ نہ رہا ہو تو سزا کے طور پر مارا بھی جا سکتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ''منھ پر مت مارو۔گالی گلوج نہ کرو۔'' (ابوداؤد)

ان تدابیر کے بعد بھی رنجش باقی رہے اور اصلاح کی کوئی امید نہ ہو تو قرآن میں ایک اور تدبیر کی تعلیم دی گئی ہے۔وہ یہ کہ حَکَم یعنی پنچ کے ذریعے میل ملاپ کی کوشش۔جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

''اگر تم لوگوں کو میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو۔وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دیگا۔اللہ سب کچھ جانتا اور باخبر ہے۔'' (النساء:۳۵)

یعنی شوہر اور بیوی دونوں خاندانوں کی طرف سے ایک ایک پنچ (حَکَم) صلح اور صفائی کیلئے متعین کیا جائے تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔کورٹ اور عدالت کے مقابلے میں یہ طریقہ دونوں کے حق میں بہتر ہے۔اور اس سے شوہر اور بیوی کی کمزوریوں پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے۔

پہلی طلاق : تمام کوششیں بھی نا کام ہوں اور نباہ کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو مجبوراً آخری عمل طلاق ہوگا۔حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا:"اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔"(ابوداؤد)

طلاق کا فیصلہ کرنے کی صورت میں شرعی طریقہ ہی اختیار کرنا چاہئے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کیلئے طلاق دیا کرو۔'' (الطلاق:۱)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ طلاق عورت کو طہر کی حالت میں دی جائے یعنی ایام حیض ختم ہونے پر جب عورت پاک ہو جائے تب اس سے صحبت کئے بغیر دی جائے۔اور اس کی عدت تین ایام حیض آنے تک ہے۔

ایام حیض میں طلاق دینے کی حدیث میں ممانعت آتی ہے۔اور طلاق کی عدت جو تین حیض ہیں اس کا حساب رکھنا بھی ضروری ہے۔ایک وقت میں صرف ایک طلاق دی جائے۔یعنی شوہر بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے ایک طلاق (رجعی) دی۔

طلاق دو صاحب عدل اور نیک گواہوں کے سامنے دی جائے۔جیسا کہ سورہ طلاق میں ارشاد ہوا ہے:

''اپنے میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنالو'' (الطلاق:۲)

طلاق تحریری دی جائے اور اس میں ایک طلاق (رجعی) دی اس طرح لکھا جائے جس پر دو گواہوں کے دستخط لازمی ہیں۔اس ایک طلاق کے بعد عورت کو اپنے شوہر کے گھر میں عدت گذارنا ضروری ہے۔ شوہر کیلئے لازم ہے کہ وہ عدت ختم ہونے سے پہلے اُسے گھر سے نہ نکالے اور اس کی تمام ضروریات پوری کرے۔عورت کو طلاق کے بعد تین حیض آنے تک عدت گذارنی ہوگی۔اس دوران ان دونوں کی کوشش ہونی چاہئے کہ میل ملاپ اور صلح صفائی کی کوئی راہ نکل سکے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں" (بقرہ:۸۸۲)

جب تیسرا حیض ختم ہو جائے تو عدت خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔بے حیض عورتوں کی مدت عدت تین ماہ ہیں۔ اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے:

''اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔'' (الطلاق:۴)

ایک طلاق دینے کے بعد عدت کے دوران (طلاق دینے کے بعد تین حیض آنے تک) مرد اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے۔رجوع کرتے وقت دو آدمیوں کو گواہ بنالیا جائے۔

اگر عدت کے دوران رجوع نہیں کیا گیا اور عدت ختم ہوگئی ہو تو شوہر اور بیوی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ اب وہ آزاد ہیں جہاں نکاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن عدت گزرنے کے بعد ان دونوں میں میل ملاپ ہو جائے اور وہ باہمی رضامندی سے ایک ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو نکاح کر کے رہ سکتے ہیں۔ اس صورت میں عورت پر ایک طلاق باقی رہے گی۔ شریعت کے مطابق صحیح طریقہ یہی ہے۔ عدت کے دوران مرد کو غور وفکر اور حالات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے تو بیوی کو بھی اپنی غلطی اور کمزوریوں کی اصلاح کے مواقع میسر آجاتے ہیں اور پچھتانے کی نوبت نہیں آنے پاتی۔

دوسری طلاق: پہلی طلاق کے بعد مرد نے بیوی سے رجوع کر لیا یا عدت کے بعد نکاح کر کے دونوں ازدواجی زندگی گزارنے لگے۔ بعد میں پھر کوئی مسئلہ پیدا ہو گیا اور مندرجہ بالا تمام کوششوں کے باوجود ملاپ کی کوئی شکل نہ نکل سکی اور طلاق دینا ہی مجبوری ہو تو پھر وہ اسی طریقہ پر جس کا ذکر اوپر ہوا ہے دوسری طلاق دے سکتا ہے۔ اس طلاق کے بعد بھی بیوی کو اس گھر میں عدت گذارنی ہوگی اور شوہر کو بھی بیوی کو گھر میں رکھ کر اس کی ساری ضرورتیں پوری کرنی ہوگی۔ عدت کے دوران شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہے اور اگر بغیر رجوع کیے عدت گذر گئی تو وہ دونوں جدا ہو جائیں گے لیکن بعد میں دونوں رضامند ہوئے تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عورت کو دو ہی طلاق دی گئیں۔

پہلی اور دوسری طلاق میں عدت کے دوران رجوع اور عدت کے بعد نکاح کرنے کے مواقع ہوتے ہیں۔

تیسری طلاق: قرآن میں ارشاد ہے: ''طلاق دوبار ہے۔ پھر یا تو بھلے طریقہ سے عورت کو روک لیا جائے یا خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔'' (بقرہ:۲۲۹)

اب اگر شوہر تیسری طلاق دیتا ہے تو اس میں نہ عدت کی گنجائش ہے اور نہ ہی رجوع کا موقع۔ واضح رہے کہ تیسری طلاق بھی تحریری طور پر دو گواہوں کی موجودگی میں دی جائے اور تحریر پر ان کے دستخط لئے جائیں۔ اب وہ دونوں ہمیشہ کیلئے جدا ہو جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

''پھر اگر (دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے بیوی کو تیسری بار) طلاق دیدی وہ عورت اس کیلئے حلال نہ ہوگی۔ الّا یہ کہ اسکا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دیدے۔'' (بقرہ:۲۳۰)

یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کیلئے حرام ہو گئے۔ الّا یہ کہ اس عورت کا نکاح کسی اور مرد سے ہو جائے اور

وہاں اتفاق سے (نہ کہ طے شدہ سازش کے تحت) طلاق ہوجائے یا اُس شوہر کا انتقال ہوجائے۔ ایسی صورت میں اگر یہ دونوں پھر باہمی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

عام طور پر لوگ جہالت اور نادانی سے بغیر سوچے سمجھے طیش میں آکر تین طلاق دے دیتے ہیں۔ وکیل بھی اگر طلاق کی تحریر لکھتا ہے تو تین بار طلاق لکھ دیتا ہے۔ قاضی اور مولوی حضرات بھی اپنے معمول کے مطابق یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ طلاق کے لفظ کو تین بار لکھنا ضروری ہے۔ عام طور پر یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ طلاق کے لفظ کو تین بار استعمال کرنا ضروری ہے۔ حالانکہ مہر کبھی ادا کیا ہوا نہیں ہوتا اور نہ اس کا احساس ہوتا ہے۔

اس کے بعد جب پچھتاتے ہیں تو حیلہ بہانے تلاش کرتے ہیں، مولویوں کے چکر لگاتے ہیں اور پھر (سازش کے تحت نکاح کر کے فوراً طلاق دلوالینا) کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور شریعت شکنی کے مرتکب اور گناہ گار ہوتے ہیں۔ حلالہ کے تعلق سے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ نے تحلیل (حلالہ) کرنے والے تحلیل کرانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' (ترمذی، نسائی)

ایک حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے صحابہ ؓ سے پوچھا، کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کرایہ کا سانڈ کون ہوتا ہے؟ صحابہ ؓ نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تحلیل (حلالہ) کرنے والا ہے۔ خدا کی لعنت ہے تحلیل کرنے والے پر بھی اور اس شخص پر بھی جس کیلئے تحلیل کی جائے۔'' (ابن ماجہ، دارقطنی)

اس حدیث سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ''حلالہ'' کا رواج شریعت اسلامیہ کے خلاف، غیر اخلاقی اور کتنا بیہودہ ہے۔ افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو اس طرح کے غلط مشورے دیتے ہیں۔ یا یہ کام کرتے ہیں۔

تیسری طلاق کے بعد جب بیوی کو رخصت کرو تو اس کو دی ہوئی چیزیں واپس لینا جائز نہیں ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے: ''اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔'' (بقرہ:۹۲۲)

یعنی مہر زیور اور کپڑے وغیرہ جو شوہر اپنی بیوی کو دے چکا ہو ان میں سے کوئی چیز بھی واپس مانگنے کا اُسے حق نہیں ہے۔ یہ بات ویسے بھی اسلام کے اخلاقی اصولوں کی ضد ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی چیز کو جسے وہ دوسرے شخص کو ہدیہ اور تحفہ کے طور پر دے چکا ہو واپس مانگے۔ اس ذلیل حرکت کو حدیث میں اُس کتے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی قے کو خود چاٹ لے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ ایک شوہر کیلئے تو

یہ بہت ہی شرمناک ہے کہ وہ طلاق دے کر رخصت کرتے وقت اپنی بیوی سے وہ سب رکھوالے جو اس نے اسے خود دیا تھا۔اس کے برعکس اسلام نے یہ اخلاقی تعلیم دی ہے کہ آدمی جس عورت کو طلاق دے اُسے رخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انہیں مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے۔ یہ حق ہے متقیوں پر۔'' (بقرہ:۱۴۲) یعنی حسن وخوبی کے ساتھ رخصتی ہدیہ دے کر روانہ کریں۔

عہد نبوی ﷺ سے ماضی قریب تک کے زمانے میں ایک سے زائد شادیاں کی جاتی تھیں، اس لئے مطلقہ اور بیوہ کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، فوراً ان کے نکاح ہوجاتے تھے۔ فی زمانہ اور خاص طور پر بھارت میں یہ ماحول نہیں ہے، اس لئے بیوہ اور مطلقہ کا مسئلہ پیچیدہ بنا ہوا ہے۔

طلاق کے معاملے میں شریعت اسلامیہ نے جو شرائط اور رکاوٹیں رکھی ہیں ان کی اصلاح اور صلح صفائی کیلئے عائد کی گئیں کوششوں پر عمل کیا گیا تو طلاق کی نوبت شاذ ونادر ہی آسکتی ہے۔

ضرورت ہے کہ ان باتوں کو درس تدریس، خطبات، وعظ وتقاریر کے ذرائع سے عوام تک پہنچایا جائے تا کہ عوام مکمل طور پر ان سے واقف ہوجائیں۔ اور شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزی سے بچ سکیں۔

O❖O

09431015205 0612 - 2675321

ہر قسم کی عمدہ اور فرحت بخش چائے کا مرکز

ڈائمنڈ ٹی کمپنی

DIAMOND TEA CO.

دریاپور گولہ، باری پتھ، پٹنہ - ۴

بچے جو دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں

بچوں کی صحیح تربیت تو والدین کا فرض ہے ہی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ عملی زندگی کیلئے انہیں تیار کرنا بھی ایک اہم ترین ذمہ داری ہے، اسی لئے بچوں کو پیسے کا درست استعمال سکھانا تعلیم وتربیت جتنا ہی اہم ہے۔

اچھی عادتیں کامیاب زندگی کی ضامن ہوتی ہیں اوران کی عادت والدین کی بروقت رہنمائی سے ہی ممکن ہے۔ پیسے کے صحیح جمع خرچ کا سبق تاعمر کام آتا ہے مگر بچے گھر سے ہی سب کچھ سیکھتے ہیں اسی لئے ممکن ہے کہ بچے پیسوں کو ویسے ہی جمع یا خرچ کریں جیسے ہم کرتے ہیں، چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی ہم انہیں یہ رویہ ورثے میں دے رہے ہیں اوراس کے نتائج اچھے بھی ہوسکتے ہیں اور بُرے بھی۔

خود سے پوچھئے کہ میں نے اپنی زندگی میں پیسے کے بارے میں کیا سیکھا؟ اوراپنے تجربات سے بچوں کو ایمانداری سے آگاہ کریں، بچوں کو پیسوں کی قدر سکھانے کے حوالے سے کچھ اہم ترین پہلو مندرجہ ذیل ہیں:

<u>ذمہ داری:</u> پانچ سال کی عمر سے بچے گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنے کے لائق ہوجاتے ہیں، ان کو اپنا کمرہ صاف کرنے، کھلونے سمیٹنے یا کچن میں مدد کرنے کی ہدایت کریں، انہیں سمجھائیں کہ یوں کام بانٹنے سے سب کا وقت بچ جاتا ہے اورسب گھر والے ملکر کوئی تفریح کرسکتے ہیں۔

<u>انعام:</u> ان کی مدد اور محنت کیلئے انہیں انعام دیں، سب بچوں کا جیب خرچ ان کے کام اوران کی عمر کے مطابق طے کریں، ہرآنے والی سالگرہ پران کی کوئی ایک ذمہ داری اورتھوڑا جیب خرچ بڑھادیں، یادرہے کہ جیب خرچ ان کی عمر کے مطابق ہو، ایک پانچ سالہ بچے کا ہفتہ بھر کا جیب خرچ ایک چاکلیٹ خریدنے کیلئے کافی ہونا چاہئے، بہت زیادہ یا بہت جلدی جلدی جیب خرچ دینا تمام محنت پر پانی پھیرسکتا ہے، انہیں ایک گلک خریدکردیں، اورسمجھائیں کہ کوئی قیمتی چیز خریدنے کیلئے وہ اس میں اپنا جیب خرچ جمع کرسکتے ہیں، اس سے بھی بہتر ہے کہ ان کیلئے ایک بینک اکاؤنٹ کھول دیں اورانہیں سمجھائیں کہ بینک انہیں جیب خرچ دینے کے ساتھ ساتھ ان کی رقم کو کیسے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

<u>منافع:</u> ان کی پیسے جمع کرنے کی عادت کوفروغ دینے کیلئے انہیں مہینے کے آخر میں منافع کی صورت میں اضافی رقم دیں، ہر بچائے گئے روپیہ پرآپ ایک روپیہ اپنی طرف سے ملائیں، اس سے ان کو بہتر سمجھ آئے گا کہ پیسے بچانے کے کتنے فوائد ہیں، جس دن وہ اپنا گلک کھولیں یا بینک سے اپنے من چاہے کھلونے کیلئے پیسے نکلوانے جائیں وہ ان کیلئے ایک خاص دن ہوگا کیونکہ وہ کام، انعام، صبر اورحصول کے سبق کو اچھے طریقے سے سمجھ کو سیونگز سکھانے کیلئے بہترین اکاؤنٹ ہے۔ ❍❖❍